دو اسلام

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

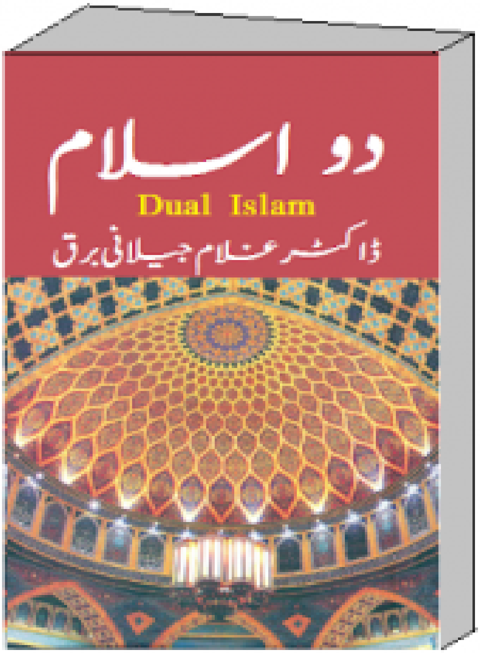

SalaamOne.com/2Islam

e-Book: **https://bit.ly/3uiXyZ9**

https://SalaamOne.com/2islam

صرف ایک اسلام *[رسالہ التجدید]*

https://SalaamOne.com/Tejdeed

https://Quran1book.blogspot.com

Download eBook pdf: http://bit.ly/2uI2213

یہ ای بک صرف ذاتی مطالعہ وعلمی تحقیق، غیر تجارتی مقصد کے لیے

انڈیکس ...

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﷺ

بسم الله الرحمن الرحيم

لآ اِلَهَ اِلّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوُل اللّٰہِ

شروع اللہ کے نام سے، ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اس کی مدد چاہتے ہیں اوراللہ سے مغفرت کی درخواست کر تے ہیں. جس کواللہ ھدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اورجس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ھدایت نہیں دے سکتا. ہم شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، محمد ﷺ اس کے بندے اورخاتم النبین ہیں اور انﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں ہے. درود و سلام ہوحضرت محمّد ﷺ پر اہل بیت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اجمعین پر. جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لئے اور جو برائی وہ کرے وہ اس پر ہے، اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا -

---

دو اسلام" کتاب پر شدید اعتراضات ہوے سینکڑوں تنقیدی تبصرے اور کتابیں لکھی گییں. مولانا مسعود احمد بی-ایس-سی کی "تفہیم اسلام" بجواب" دو اسلام" مشہور ہوئی. کہا جاتا ہے کہ غلام جیلانی برق صاحب نے اپنے موقف سے رجوع کیا اور کتاب "تاریخ حدیث" لکھی (۲۰۰۹)- جس میں تاریخ تدوین حدیث کی مختصر تاریخ ہے، مگر صرف سات سو غیر متنازعہ احادیث جوان کے پرانے نقطہ نظر (قرآن سے مطابقت رکھنے پر مشروط) بیان کیں. مگر "حرف ثانی" کے مطابق، ۱۹۵٦ تک وہ اپنے نقطہ نظر پر قایم نظر آتے ہیں –(واللہ عالم) معروف صحفی و دانشور جاوید چودھری کے مطابق وہ مرتے دم تک اپنے موقف کی صداقت پر قائم رہے- درج ذیل لنک پر کتب اور ریفرنس مہیا کر دی گے ہیں تاکہ اہل علم اور سچائی کے متلاشی، کھلے دماغ کے لوگ علمی زخیرہ سےاستفادہ کر کہ اپنی آزادانہ راے قایم کر سکیں. تنگ نظر، فرقہ پرست، اندھی تقلید کے شکار لوگ ان کتابوں کو پڑھنے سے گریز کریں.

یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے (8:22 قرآن)

ویب لنک : https://salaamone.com/2islam

ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی تحقیق میں جس نقطہ تک نہ پہنچ چکے، اہم ترین تاریخی حیران کن انکشافات ، بارہ سوسال بعد ... پڑھیں https://quran1book.blogspot.com

https://Quran1book.blogspot.com htps://SalaamOne.com/Tejdeed

کیا ڈاکٹر برق واقعی نادم تھے؟

آپ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی زندگی اور ان کے علمی کام کا جائزہ لیجیے، آپ کی زیادہ تر کنفیوژن ختم ہو جائے گی، باقی کنفیوژن کے خاتمے کے لیے میری خدمات حاضر ہیں، ڈاکٹر برق1901ء میں پیدا ہوئے، خاندان مذہبی بھی تھا اور سید بھی۔

ڈاکٹر صاحب کا شمار اسلامی دنیا کے ان چند اسکالرز میں ہوتا ہے جو مدارس سے نکل کر یونیورسٹی تک پہنچے، وہ عربی زبان میں گولڈ میڈلسٹ تھے اور انگریزی زبان پر اس قدر دسترس رکھتے تھے کہ اپنا تھیسس انگریزی میں لکھا اور آکسفورڈ اور ہارورڈ یونیورسٹی نے پاکستان بننے سے سات سال قبل یعنی 1940ء میں ان کی پی ایچ ڈی کی ڈگری کی تصدیق کی، وہ پاکستان بننے سے قبل ان بیس عالموں میں شمار ہوتے تھے جن کے پاس پی ایچ ڈی کی ڈگری تھی، ڈاکٹر صاحب نے زندگی میں 17 کتابیں اور سیکڑوں مضامین لکھے۔

”دو اسلام“ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی پہلی تحقیقی کتاب تھی، یہ کتاب 1949ء میں شایع ہوئی، یہ کتاب اسلامی تاریخ میں طویل مدت بعد نئی تحقیق کی شکل میں سامنے آئی، وہ عالموں کا زمانہ تھا، اس زمانے میں ”دو اسلام“ کے بارے میں دو آراء سامنے آئیں، علماء کرام ، صوفیاء کرام اور پڑھے لکھے طبقے نے کتاب کو بے انتہا پسند کیا جب کہ مولوی حضرات، ملاؤں اور جعلی پیروں کی طرف سے اس پر شدید نقطہ چینی ہوئی لیکن اس تنقید کے باوجود یہ کتاب مسلسل شایع ہوتی رہی، ڈاکٹر صاحب کی دوسری تصنیف ”دو قرآن“ تھی، یہ کتاب

1942ء میں برصغیر کے مشہور دینی اور علمی جریدے " البینان" میں قسط وار شایع ہوئی۔

"دو قرآن" کی اقساط 14 ماہ تک جاری رہیں، یہ اقساط بعد ازاں کتاب کی شکل میں شایع ہوئیں،ڈاکٹر صاحب کی تیسری تصنیف "ایک اسلام" تھی، یہ کتاب 1952ء میں شایع ہوئی، آپ اگر دو اسلام، دو قرآن اور ایک اسلام کے بارے میں تحقیق کریں تو یہ تینوں کتابیں 1940ء سے لے کر 1952ء کے دوران لکھی گئیں اور یہ شایع ہوئیں، یہ تینوں کتابیں اسلام کے علمی پہلو پر مبنی تھیں، یہ انسان کو کام پر راغب کرتی تھیں، یہ مسلمانوں کو اللہ کی فلاسفی بتاتی تھیں۔

ان کتب کا مرکزی نقطہ عمل، کام، سعی اور تحقیق تھا، ڈاکٹر صاحب اہل ایمان کو یہ بتانا چاہتے تھے یہ دنیا اس کی ہے جو محنت کرے گا، آپ کو کھیتوں سے لے کر فیکٹریوں تک اور اسکولوں سے لے کر لیبارٹری تک دن رات ایک کرنا ہو گا، آپ تب جا کر زندگی میں آرام اور آسائش پا سکیں گے، اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا رب ہے، یہ ٹام کا بھی اتنا ہی خدا ہے جتنا یہ عبدالرحمن کا ہے، اللہ محنت پسند کرتا ہے، یہ محنت کرنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا، لوئی پاسچر ہو، نیوٹن ہو، مادام کیوری ہو یا آئن سٹائن ہو یا پھر الخوارزمی، بو علی سینا اور امام غزالی ہوں دنیا میں جو محنت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے نوازے گا۔

ڈاکٹر صاحب چاہتے تھے مسلمان خانقاہوں تک محدود نہ ہوں، یہ وظائف کے ذریعے دنیا مسخر کرنے کی کوشش بھی نہ کریں،یہ محنت کریں، علم حاصل کریں اور اپنی دنیا آپ پیدا کریں، ڈاکٹر صاحب تاریخ اسلام کے نباض تھے، وہ سمجھتے تھے غیر مسلموں کے ہاتھوں مسلمانوں کی 128 ریاستیں تباہ ہوئیں، چنگیز خان، ہلاکو خان اور فرڈی نینڈ نے

مسلمانوں کی ایسی ایسی لائبریریاں جلا کر راکھ بنا دیں جن میں صحابہؓ کے ہاتھوں سے لکھے قرآن مجید اور اماموں کے ہاتھوں سے تحریر احادیث کے نسخے تھے،عیسائیوں نے مسجد قرطبہ کو چرچ بنا دیا، ہلاکو خان نے مساجد میں گھوڑے باندھے لیکن مسلمانوں کی مدد کے لیے آندھیاں آئیں۔

زلزلے اترے اور نہ ہی دشمن کا راستہ روکنے کے لیے سیلاب بھجوائے گئے، ہلاکو خان، چنگیز خان اور فرڈی نینڈ کا دور قطب اور ابدال کا زمانہ تھا، آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ،حضرت داتا گنج بخشؒ ،حضرت معین الدین چشتی ؒاجمیری اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا زمانہ نکالیں، ان عظیم روحانی شخصیات کے مقابر اس وقت شاد اور آباد تھے، ہلاکو خان نے فروری1258ء میں بغداد پر حملہ کیا، اس وقت حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار پر سیکڑوں زندہ پیر موجود تھے لیکن مسلمان تمام تر برکات کے باوجود سقوط بغداد سے بچ سکے۔

خوارزم کی ریاست بچا سکے اور نہ ہی ہندوستان کو ان ظالم حملہ آوروں سے بچا سکے جنہوں نے لاہور سے لے کر دلی تک مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، ہم مسلمان اپنی تمام تر روحانی قوت کے باوجود انگریزوں سے ہندوستان بچا سکے، غرناطہ اور نہ ہی خلافت عثمانیہ، ہم ساڑھے 13 سو سال مار کھاتے رہے، ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا مسلمانوں کو اسلام کا اصل پیغام سمجھنا ہوگا، انہیں علم، دفاع اور معیشت تینوں پر توجہ دینی چاہیے، انہیں دعا سے قبل کھیت میں ہل جوتنا ہو گا، زمین میں بیج بونا ہو گا اور کھیت کو پانی دینا ہو گا ورنہ دوسری صورت میں صرف دعا سے فصل نہیں اگ سکے گی۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کا یہ پیغام ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے اجنبی تھا، ہم ہندوستانی مسلمانوں کو ایک طویل عمل کے ذریعے عملی اسلام سے دور کر دیا گیا تھا اور ہم نے یقین کر لیا تھا اللہ نے دنیا غیر مسلموں اور آخرت مسلمانوں کے لیے وقف کر دی ہے اور ہم اگر آخرت میں سرفراز ہونا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں دنیا میں رسوا ہونا پڑے گا۔

ہمارے ذہن میں یہ راسخ کر دیا گیا تھا یہ دنیا دنیاوی کتوں کے لیے ہے چنانچہ ہم نے دفاع، علم، تحقیق، انڈسٹری اور معیشت دنیاوی کتوں پر چھوڑ دی اور اپنے لیے ان کتوں کی غلامی پسند کر لی یوں دنیاوی کتے اہل ایمان کے حکمران بن گئے، دنیا مسائل کا حل تلاش کرتی رہی، یہ اینٹی بائیوٹک، گاڑیاں، جہاز، کیڑے مار ادویات اور میزائل بناتی رہی اور ہم وظائف، پھونکوں اور تعویذوں کے ذریعے دشمنوں کی توپوں میں کیڑے پڑنے کا انتظار کرتے رہے، ہمیں یقین دلا دیاگیا تھا، تم صرف عبادت کرو، وظائف اور پھونکیں مارو اور غیروں کو کام کرنے دو چنانچہ پورا عالم اسلام دنیاوی کتوں کا غلام ہو کر رہ گیا۔

ہم نے اپنی غلامی کو امر ربی بھی بنا لیا تھا، ہم اسے اللہ کا حکم سمجھ کر چپ چاپ بیٹھ گئے تھے،ہم نے اپنے زوال، اپنی غربت اور اپنی مصیبتوں کو روحانیت کی شکل بھی دے دی تھی، ڈاکٹر صاحب کی سوچ سمجھوتے کی غلامی کے جوہڑ میں بھاری بھرکم پتھر ثابت ہوئی اور ملک پاکستان میں ان پر اعتراضات شروع ہوگئے، لوگوں نے دعویٰ کیا ”ڈاکٹر غلام جیلانی برق روحانیت کے خلاف ہیں، یہ احادیث کو بھی تسلیم نہیں کرتے“ یہ پروپیگنڈا غلط تھا کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے زندگی کا بڑا حصہ احادیث پر صرف کیا تھا، یہ سید زادے بھی تھے۔

ان کے والد کا نام محمد قاسم شاہ تھا، یہ گاؤں لسبال میں امام مسجد بھی تھے اور یہ بیعت بھی کرتے تھے، ڈاکٹر صاحب نے1960ء میں روحانیت کی مخالفت کا داغ دھونے کے لیے ”من کی دنیا“ لکھی، یہ کتاب روحانیت کے بارے میں تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے”من کی دنیا“ میں ان مغربی علماء اور اسکالرز کے حوالے دیے جو مسلمان نہیں تھے لیکن اس کے باوجود اسلام کی روحانیت سے اتفاق کرتے تھے، یہ کتاب 1960ء میں شایع ہوئی۔

آپ اب ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے کام کا جائزہ لیجیے، ”دو اسلام“ 1949ء میں شایع ہوئی۔ ”دو قرآن“ 1942ء میں البینان میں شایع ہونے لگی۔ ”ایک اسلام“ 1952ء میں شایع ہوئی اور ”من کی دنیا“ 1960ء میں سامنے آئی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق 12 مارچ 1985ء تک حیات رہے، ڈاکٹر صاحب 1960ء کے بعد 1985ء تک 25 سال حیات رہے، اس عرصے میں انھوں نے سیکڑوں صفحات پر مشتمل مضامین اور دس کے قریب کتابیں لکھیں، ڈاکٹر صاحب کے انتقال تک ان کی چاروں کتب شایع ہوتی رہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی حیات میں ”دو اسلام“ کا آخری ایڈیشن 1981ء میں شایع ہوا لیکن ڈاکٹر صاحب نے انتقال تک اپنی کسی تحریر، اپنے کسی انٹرویو میں یہ نہیں فرمایا ” میں اپنی سابق کتابوں پر نادم ہوں یا میرا سارا کام دور جاہلیت میں لکھا گیا“ میں چیلنج کرتا ہوں آپ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب ” من کی دنیا،، یا ان کی 1985ء تک کی تحریروں سے مجھے وہ فقرہ یا نوٹ نکال کر دکھا دیجیے جس میں انھوں نے ”دواسلام“ ”دو قرآن“ اور ”ایک اسلام“ پر ندامت کا اظہار کیا ہو یا اسے اپنے دور جاہلیت کا کام قرار دیا ہو۔

ہم ایک لمحے کے لیے یہ فرض بھی کر لیں ڈاکٹر غلام جیلانی برق 1960ء میں ''من کی دنیا'' لکھتے وقت اپنی ماضی کی کتب پر نادم ہو گئے تھے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب نے من کی دنیا میں اس کا اعتراف کیوں نہیں کیا؟ یہ 1981ء تک اپنی دور جاہلیت کی پیداوار کو شایع کیوں کرواتے رہے؟ ڈاکٹر صاحب اپنے پبلشر کو ایک خط لکھ دیتے اور کتابوں کی اشاعت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی۔

ڈاکٹر صاحب اپنے کسی مضمون میں اعتراف جرم کر لیتے۔ یہ اپنی آٹو بائیوگرافی ''میری داستان حیات'' ہی میں اپنی ''جہالت'' کا اعتراف کر لیتے یا اپنے کام، اپنی تحقیق پر عالم اسلام سے معذرت کر لیتے تو آج صورتحال مختلف ہوتی مگر ڈاکٹر صاحب نے ''من کی دنیا'' سے لے کر اپنے آخری مضمون تک کسی جگہ یہ اعتراف نہیں کیا، یہ آخری وقت تک اپنی کتابیں بھی شایع کراتے رہے اور ان کتب کی رائلٹی بھی وصول کرتے رہے لیکن میرے دوست کو اچانک کشف ہوا۔

ڈاکٹر صاحب 1960ء میں اپنے 1949، 1950 اور 1952ء کے کام پر نادم تھے یا یہ عمر عزیز کے آخر میں اپنے اس کام کو ''دور جاہلیت'' کا کارنامہ قرار دیتے تھے جس نے لسبال کے مولوی غلام جیلانی کو عالم اسلام کا عظیم اسکالر ڈاکٹر غلام جیلانی برق بنایا، ایسا اسکالر جس کی محفل میں مولانا مودودی سے لے کر ڈاکٹر باقر، ڈاکٹر عبداللہ، شورش کاشمیری، پروفیسر اشفاق علی خان، جنرل عبدالعلی ملک، مولانا زاہد الحسینی، پروفیسر ڈاکٹر اجمل، ڈاکٹر حمید اللہ، پروفیسر سعادت علی خان، عنایت الٰہی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، حفیظ جالندھری، طفیل ہوشیار پوری، جنرل شیریں دل خان نیازی، پروفیسر سعداللہ کلیم، صوفی غلام مصطفی تبسم، شیخ عبدالحکیم، کرنل محمد خان، جنرل شوکت، جنرل

شفیق الرحمن، احمد ندیم قاسمی اور جسٹس کیانی جیسے علماء، ادباء اور استاد بیٹھتے تھے، یہ محفلیں بھی ڈاکٹر صاحب کی آخری سانس تک جاری رہیں۔

یہ بڑے لوگ تھے اور ڈاکٹر صاحب نے ان میں سے بھی کسی کے سامنے اپنے ”دور جاہلیت“ کے کام پر ندامت کا اظہار نہیں کیا، پھر میرے دوست کو کیسے معلوم ہو گیا؟ میرا خیال ہے یہ میرے دوست کی روحانی طاقت ہے جس نے عالم ارواح میں جھانک کر معلوم کر لیا 1985ء میں انتقال فرمانے والے ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنے کام پر نادم ہیں۔

میری اپنے دوست سے درخواست ہے آپ اب مہربانی فرما کر علامہ اقبالؒ کی روح سے بھی رابطہ کریں، ہو سکتا ہے علامہ صاحب بھی” سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا“ جیسے ترانے پر کف افسوس مل رہے ہوں، آپ اپنی روحانیت کے ذریعے قوم کو گوادر کاشغر روٹ پر قائداعظم کی رائے سے بھی مطلع فرما دیں تا کہ قوم بانی پاکستان کے تازہ ترین خیالات سے مستفید ہو جائے اور اگر ہو سکے تو ملکہ سبا کو بھی اطلاع کر دیں آپ کے یمن پر حوثیوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔

[جاوید چوہدری]

https://www.express.pk/story/351560

انڈیکس

1. کیا ڈاکٹر برق واقعی نادم تھے؟	3
2. دو اسلام : حرف اول	13
3. تعارف	20
4. حرف ثانی	31
5. پہلا باب	46
6. حدیث میں تحریف	46
7. دوسرا باب	76
8. تدوین حدیث	76
9. تیسرا باب	88
10. چند عجیب راوی صحابہ	88
11. چوتھا باب	97
12. کچھ ائمہ حدیث اور معتبر راویوں کے متعلق	97
13. پانچواں باب	108
14. حدیث پر ایک مکالمہ	108
15. چھٹا باب	121
16. تحریف احادیث کے اسباب	121
17. ساتواں باب	159
18. موطا پر ایک نظر	159
19. آٹھواں باب	171
20. صحیح بخاری پر ایک نظر	171
21. نواں باب	192
22. حضورؐ کی تصویر حدیث میں	192
دو اسلام - تبصرہ	217

نمازیں ، روزے ، عبادات اور نیک کام بیکار ہیں اگر ایمان خالص نہیں- ایمان میں کوئی ملاوٹ اللہ کو قبول نہیں، اپنے ایمان اور عمل کا ہر نفس خود جوابدہ ہے تجدید الایمان کریں -

تجدید الایمان 223
a. تجدید 225
b. اصول دین 227
c. ایمان : چھ بنیادی عقائد اسلام 228
d. ایمان کا تجزیہ 228
e. اللہ کی نازل کردہ کتب پر ایمان 228
f. قرآن کے علاوہ کسی اور کتب پر ایمان ؟ 229
g. منکرین قرآن ؟ 236
h. رسولوں پر ایمان 240
i. تضاد (The Paradox)_ : انکار رسالت ، سنت و حدیث ؟ 242
j. أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﷺ 243
k. بدعة گمراہی (وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ’) 247
l. قرآن اور عقل و شعور 248
m. حدیث کے بیان و ترسیل کا مجوزہ طریقہ [أَطِيعُوا الرَّسُولَ ﷺ] 249
n. اہل ایمان کی ذمہ داری 251
o. **مطالعہ تحقیق کے چار مراحل** 255
p. تجدید الإسلام-انڈکس 260
q. Links 262

دو اسلام : حرف اول

یہ 1918 ء کا ذکر ہے۔

میں قبلہ والد صاحب کے ساتھ امرتسر گیا۔ میں ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا ، جہاں نہ بلند عمارات، نہ مصفا سڑکیں، نہ کاریں، نہ بجلی کے قمقمے اور نہ اس وضع کی دکانیں۔ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ لاکھوں کے سامان سے سجی ہوئی دکانیں۔ اور بورڈ پر کہیں رام بھیجا سنت رام لکھا ہے، کہیں دُنی چند اگروال، کہیں سنت سنگھ سبل اور کہیں شادی لال فقیر چند۔ ہال بازار کے اس سرے سے اس سرے تک کسی مسلمان کی کوئی دکان نظر نہیں آئی۔ ہاں مسلمان ضرور نظر آئے۔ کوئی بوجھ اٹھا رہا تھا۔ کوئی گدھے لاد رہا تھا۔مالگدام سے بیل گاڑی پہ ہندو کا سامان لاد رہا تھا۔ کوئی کسی ٹال پہ لکڑیاں چیر رہا تھا۔ اور کوئی بھیک مانگ رہا تھا۔ غیر مسلم کاروں اور فٹنوں پر جا رہے تھے اور مسلمان اڑھائی من بوجھ کے نیچے دبا ہوا مشکل سے قدم اٹھا رہا تھا۔ ہندوؤں کے چہرے پر رونق بشاشت اور چمک تھی اور مسلمان کا چہرہ فاقہ مشقت فکر اور جھریوں کی وجہ سے افسردہ و مسخ شدہ۔

میں نے والد صاحب سے پوچھا !

"کیا مسلمان ہر جگہ اسی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں؟

والد صاحب: ہاں !

میں: اللہ نے مسلمان کو بھی ہندو کی طرح دو ہاتھ، دو پاؤں اور ایک سر عطا کیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہندو تو زندگی کے مزے لوٹ رہا ہے اور مسلمان ہر جگہ حیوان سے بدتر زندگی بسر کر رہا ہے۔

والد صاحب: یہ دنیا مردار سے زیادہ نجس ہے اور اس کے متلاشی کتوں سے زیادہ ناپاک۔ اللہ نے یہ مردار ہندوؤں کے حوالے کر دیا ہے اور جنت ہمیں دے دی ہے۔ کہو کون فائدے میں رہا ؟ ہم یا وہ۔

میں: اگر دنیا واقعی مردار ہے تو آپ تجارت کیوں کرتے ہیں اور مال تجارت خریدنے کے لئے امرت سر تک کیوں آئے ؟ ایک طرف دنیاوی ساز و سامان خرید کر منافع کمانا اور دوسری طرف اسے مردار قرار دینا ، عجیب قسم کی منطق ہے۔

والد صاحب: بیٹا ! بزرگوں سے بحث کرنا سعادت مندی نہیں۔ جو کچھ میں نے تمھیں بتایا ہے وہ ایک حدیث کر ترجمہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا

"الدنیا جیفۃ و طلابھا کلاب" یہ دنیا ایک مردار ہے اور اس کے متلاشی کتے۔

حدیث کا نام سن کر میں ڈر گیا اور بحث بند کر دی۔ سفر سے واپس آ کر میں نے گاؤں کے مُلا سے اپنے شبہات کا اظہار کیا۔ اس نے بھی وہی جواب دیا۔ میرے دل میں اس معمے کو حل کرنے کی تڑپ پیدا ہوئی۔ لیکن

میرے قلب و نظر پہ تقلید کے پہرے بیٹھے ہوئے تھے۔ علم کم تھا اور فہم محدود۔ اس لئے معاملہ زیادہ الجھتا گیا۔

میں مسلسل چودہ برس تک حصول علم کے لئے مختلف علماء و صوفیا کے ہاں رہا۔ درس نظامی کی تکمیل کی۔ سینکڑوں واعظین کے وعظ سنے۔ بیسیوں دینی کتابیں پڑھیں۔ اور بالآخر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام رائج کا ما حاصل یہ ہے:

1. فرائض خمسہ یعنی توحید کا اقرار اور صلٰوۃ ، زکوٰۃ، صوم اور حج کی بجا آوری۔

2. اذان کے بعد ادب سے کلمہ شریف پڑھنا۔

3. مختلف رسوم مثلاً جمعرات، چہلم، گیارہویں وغیرہ کو باقاعدگی سے ادا کرنا۔

4. قرآن کی عبارت پڑھنا۔

5. اللہ کے ذکر کو سب سے بڑا عمل سمجھنا۔

6. قرآن اور درود کے ختم کرانا۔

7. اُچھل اُچھل کر حق ہو کے ورد کرنا۔

8. نجات کے لئے کسی مرشد کی بیعت کرنا۔

9. مردوں سے مرادیں مانگنا۔

10. مزاروں پر سجدے کرنا۔

11. غلیظ لباس کو پیغمبری لباس سمجھنا۔

12. سڑکوں اور بازاروں میں سب کے سامنے ڈھیلا کرنا۔

13. تعویذوں اور منتروں کو مشکل کشا سمجھنا۔

14- آنحضرت کو عالم الغیب نیز حاضر و ناظر قرار دینا۔

15- کسی بیماری یا مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے مولوی جی کی ضیافت کرنا۔

16- گناہ بخشوانے کے لئے قوالی سننا۔

17- غیر مسلم کو ناپاک و نجس سمجھنا۔

18- امام ابو حنیفہ کی فقہ پر ایمان لانا۔

19- صحاح ستہ کو وحی سمجھنا۔

20- تمام علوم جدیدہ مثلاً طبعیات ، ریاضیات، اقتصادیات ، تعمیرات وغیرہ کو کفر خیال کرنا۔

21-غور و فکر اور اجتہاد و استنباط کو گناہ قرار دینا۔

22- صرف کلمہ پڑھ کر بہشت میں پہنچ جانا۔

23- ہر مشکل کا علاج عمل اور محنت سے نہیں بلکہ دعاؤں سے کرنا مثلاً سوتے وقت یہ دعا پڑھو ۔ اللھم باسمک اموت و احیی خواب میں خواجہ خضر کی زیارت ہو گی۔ جاگو تو بسم اللہ الذی احیانی بعد ما اماتنی کا ورد کرو حوریں تمھارا منہ چاٹیں گی سبحان اللہ و بحمد ہ کا جملہ منہ سے نکالو تو ساری زندگی کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ وضو میں منہ دھوتے وقت جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ

کا ورد کرو تو تمھیں حضرت آدم علیہ السلام کے دس لاکھ حج کا ثواب ملے گا۔ نماز کے بعد لاحول و لاقوۃ پڑھو تو سات آسمانوں اور سات زمینوں جتنا ثواب حاصل ہو گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

جب علمائے کرام کے فیض سے میں تعلیمات اسلامی پر پوری طرح حاوی ہو گیا تو یہ حقیقت بھی مجھ پر واضح ہو گئی کہ خدا ہمارا، رسول ہمارا، فرشتے ہمارے، جنت ہماری، حوریں ہماری، زمین ہماری، آسمان ہمارا، الغرض سب کچھ کے مالک ہم ہیں اور باقی قومیں اس دنیا میں جھک مارنے کے لئے آئی ہیں۔ ان کی دولت ، عیش اور تنعم محض چند روزہ ہے۔ وہ بہت جلد جہنم کے پست ترین طبقے میں اوندھے پھینک دئیے جائیں گے اور ہم کمخواب و زربفت کے سوٹ پہن کر سرمدی بہاروں میں حوروں کے ساتھ مزے لوٹیں گے۔

زمانہ گزرتا گیا ۔انگریزی پڑھنے کے بعد علوم جدیدہ کا مطالعہ کیا۔ قلب و نظر میں وسعت پیدا ہوئی۔ اقوام و ملل کی تاریخ پڑھی تو مجھے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی 128 سلطنتیں مٹ چکی ہیں۔ حیرت ہوئی کہ جب اللہ ہمارا اور صرف ہمارا تھا تو اس نے خلافت عباسیہ کا وارث ہلاکو جیسے کافر کو کیوں بنایا۔ ہسپانیہ کے اسلامی تخت پہ فرونیاں کو کیوں بٹھایا۔ مغلیہ کا تاج الزبتھ کے سر پر کیوں رکھ دیا۔ بلغاریہ، ہنگری، رومانیہ سرویہ، پولینڈ، کریمیا، یوکرائین، یونان اور بلغراد سے ہمارے آثار کیوں مٹا دئیے۔ فرانس سے بیک بینی دو گوش ہمیں کیوں نکالا۔ ٹیونس، مراکو، الجزائر اور لیبیا سے ہمیں کیوں رخصت کیا؟

میں رفع حیرت کے لئے مختلف علماء کے ہاں گیا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ میں نے اس مسئلے پر پانچ سات برس تک غور و فکر کیا۔ لیکن کسی

نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ بدقسمتی سے یہ وہ دور تھا جب میں اسلام سے سخت دلبرداشتہ ہو چکا تھا اور سالہاسال سے تلاوت کلام اللہ ترک کر رکھی تھی۔

ایک دن سحر کو بیدار ہوا۔ اوپر طاق میں قرآن شریف رکھا تھا۔ شغلاً اٹھایا ، کھولا اور پہلی آیت جو سامنے آئی وہ یہ تھی۔

اولم یردکم اھلکنا.......من بعد ھم قرنا اخرین۔

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم ان سے پہلے کتنی اقوام کو تباہ کر چکے ہیں۔ ہم نے انھیں وہ شان و شوکت عطا کی تھی جو تمھیں نصیب نہیں ہوئی۔ ہم ان کے کھیتوں پر چھما چھم بارشیں برساتے تھے اور ان کے باغات میں شفاف پانی کی نہریں بہتی تھیں۔ لیکن جب انھوں نے ہماری راہیں چھوڑ دیں تو ہم نے انھیں تباہ کر دیا اور ان کا وارث کسی اور قوم کو بنا دیا۔میری آنکھیں کھل گئیں۔ اندھی تقلید کی وہ تاریک گھٹائیں جو دماغی ماحول پر محیط تھیں یک بیک چھٹنے لگیں۔ اور اللہ کی سنت جاریہ کے تمام گوشے بے حجاب ہونے لگے۔ میں نے قرآن میں جا بجا یہ لکھا ہوا دیکھا کہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ یہاں صرف عمل سے بیڑے پار ہوتے ہیں۔ ہر عمل کی جزا و سزا مقرر ہے۔ جسے نہ کوئی دعا ٹال سکتی ہے اور نہ دوا۔

لیس للانسان الا ماسعی ۔ یہاں صرف اپنی کوششیں ہی کام آتی ہیں۔ (القرآن)

میں سارا قرآن پڑھ گیا، اور کہیں بھی محض دعا یا تعویذ کا کوئی صلہ نہ دیکھا۔ کہیں بھی زبانی خوشامد کا اجر زمردیں محلات ۔ حوروں اور

حجوں کی شکل میں نہ پایا۔ یہاں میرے کانوں نے صرف تلوار کی جھنکار سنی اور میری آنکھوں نے غازیوں کے وہ جھرمٹ دیکھے جو شہادت کی لازوال دولت حاصل کرنے کے لئے جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود رہے تھے۔ وہ دیوانے دیکھے جو عزم و ہمت کا علم ہاتھ میں لئے معانی حیات کی طرف باانداز طوفان بڑھ رہے تھے۔ اور وہ پروانے دیکھے جو کسی کے جمالِ جاں افروز پہ رہ رہ کے قربان ہو رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ حدیث و قرآن کی بتائی ہوئی راہوں میں اتنا فرق کیوں ہے۔ احادیث کی تاریخ پڑھی تو منکشف ہوا کہ کہیں تو اعدائے اسلام نے توہین اسلام کے لئے اور کہیں ہمارے ملا نے قرآن کے تیغ و سناں والے اسلام سے بچنے کی خاطر تقریباً چودہ لاکھ احادیث وضع کر رکھی ہیں۔ جہاں ایک ایک دعا کا صلہ لاکھ لاکھ محل دیا ہوا ہے۔

اس انکشاف کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ مسلمان ہر جگہ محض اسی لئے ذلیل ہو رہا ہے کہ اس نے قرآن کے عمل، محنت اور ہیبت والے اسلام کو ترک کر رکھا ہے۔ وہ اوراد و اوعیہ کے نشے میں مست ہے۔ اور اس کی زندگی کا تمام سرمایہ چند دعائیں اور چند تعویذ ہیں اور بس۔

اور ساتھ ہی یقین ہو گیا کہ اسلام دو ہیں۔ ایک قرآن کا اسلام جس کی طرف اللہ بلا رہا ہے۔ اور دوسرا وضعی حدیث کا اسلام جس کی تبلیغ پر ہمارے اسی لاکھ مُلا قلم اور پھیپھڑوں کا سارا زور صرف کر رہے ہیں۔

آئیے ذرا اس "حدیثی اسلام" پر ایک تنقیدی نظر ڈالیں۔

برق

کیمبل پور-25 ستمبر 1949ء

تعارف

میں نے زیر نظر کتاب "دو اسلام" کے کچھ حصے غور سے اور کچھ قلت فرصت کے سبب سرسری نظر سے دیکھیں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں، اس کے پڑھنے والے اختلاف میلان کی وجہ سے اس سے مختلف قسم کے تین اثرات حاصل کریں گے۔

1۔ نوخیز طبقہ جو موجودہ روایتی اسلام سے صد فیصد بیزار ہو چکا ہے وہ اسے اپنے دل کی آواز سمجھے گا اور مصنف کے ساتھ چل پڑے گا، جہاں جہاں وہ لے جائے۔

2۔ دوسرا متین و سنجیدہ گروہ، مصنف کی روح سے ہم آہنگ ہو جائے گا لیکن اس کے تند و تیز لہجے کی مخالفت کرے گا۔

3۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو ابھی ملائیت اور خانقاہیت کے زیر اثر ہیں، ان کی چیخیں نکل جائیں گی وہ چلائیں گے فریاد مچائیں گے آسمان سر پر اٹھا لیں گے۔

دیکھنا ، لینا، پکڑنا، دوڑنا، جانے نہ پائے

لے چلا میری شکیبائی وہ کافر لے چلا (طغرائی مرحوم)

مسجد و خانقاہ نے ایک وقت تک دنیا کو روشنی بخشی، روحانیت پھیلائی، اخلاق و دیانت کا درس دیا۔ لیکن غیر اسلامی دنیا کو اسلام کی یہ سطوت و عظمت ایک آنکھ نہ بھائی۔ اس نے داخلی اور خارجی ہر ہتھیار سے مسلح ہو کر اس "جانِ عالم" کو شکست دینے کی ٹھان لی۔

پادریوں نے متعصبانہ حملے کئے۔ مستشرقین نے زہر آمیز شربت تیار کئے۔ ویدک دھرم کے پجاریوں نے بھی ان کی پیروی کی۔ مغربی حکومتوں نے آزاد مسلم علاقوں کو محکوم اور محکوموں کو محکوم تر بنائے رکھنے کے لئے عجیب و غریب حیلے ایجاد کئے۔ بیرونی دباؤ کے ساتھ ساتھ ملت میں اندرونی انتشار و اضطراب، بددلی اور بے دینی پھیلانے کی منظم سازشیں کیں۔ اپنی سامراجی ڈپلومیسی کی تکمیل کے لئے بڑے بڑے ملا و پیر خریدے۔ مسیح و مہدی کھڑے کئے۔ مذہب کا احترام کرنے والوں کو ان مذہب فروشوں کے ذریعے جکڑا، اور نئی نسل کو اپاہج بنانے کے لئے اخلاق و دیانت سے خالی ایک ملحدانہ نظام تعلیم تجویز کیا۔ وہ مسلمان جس کے نعرہ تکبیر سے مغرب کی ماؤں کے حمل ساقط ہو جاتے تھے اس کو گرفتار کرنے کے لئے ہر طرف شکاری بٹھا دئیے۔ اب وہ مسجد میں جائے یا خانقاہ میں ، کالج میں گھومے یا یونیورسٹی میں، محمدؐ کا جلال کہیں نہیں، صدیق و فاروق کی ہیبت کا خاتمہ ہے۔ ابلیس کے بیٹے مختلف لباسوں میں جلوہ گر ہیں۔ کہیں مفتی اور کہیں مرشد بن کر کہیں پروفیسر اور کہیں لکچرار کی شکل میں۔

آخر غیرت سماوی اپنے زمینی بچوں کی اس زبوں حالی کو کب تک برداشت کرتی۔ شیطانوں کی باگیں کب تک ڈھیلی رہتیں۔ وہی جماعت جو تخریب اسلام کے لئے تیار کی جا رہی تھی، اسی میں سے کچھ لوگ نکلے۔ ان کو آفتاب اسلام کی کرنیں نظر آئیں۔ انھوں نے اپنے پاؤں سے روایتی اسلام کی بیڑیاں توڑ ڈالیں۔ ان نو خیزوں کے لئے زمین تیار کرنے والے وہ لوگ تھے ، جو

نے ایلہ مسجد تھے ، نہ تہذیب کے فرزند

فرنگی فتنہ کو سب سے پہلے سید جمال الدین افغانی نے بھانپا اور عالم آشکار کیا۔انھوں نے سرزمین فرنگ میں بیٹھ کر فرنگی کی شیطانی سیاست کا غائر مطالعہ کیا، اور اسلامی ممالک کے ہر گوشے میں پہنچ کر اپنے دل کی آگ سے مسلمانوں کے جمود کو پگھلانے کی کوشش کی۔ مصر میں مفتی محمد عبدہ اور ان کی جماعت سید افغانی سے بہت زیادہ متاثر ہوئی۔ ہندوستان میں سرسید کی پارٹی - مولوی چراغ علی، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، خواجہ حالی، مولانا شبلی وغیرہ م نے اپنے طرز پر اپنی استعداد کے مطابق مسلمانوں کی اصلاح، اور اسلام کی اشاعت میں حصہ لیا۔ مُلائی حلقوں سے ان کی شدید مخالفت کی گئی۔ لیکن جو بیج پڑ چکا تھا اسے بارور ہونا ضروری تھا۔ مشیت کو یہی منظور تھا۔ انگریز کی مسلم کُش کوششیں تیز تر ہوتی گئیں۔ لیکن وہ جو فرعون کو مٹانے کے لئے فرعون ہی کے گھر میں موسیٰؑ کو پروان چڑھا سکتا ہے اس کے سامنے انکی چالاکیاں کیا اہمیت رکھتی ہیں۔ اس نے انھی غارت گرِ اسلام کالجوں اور یونیورسٹیوں سے وہ انسان تیار کر دئیے جن کے متعلق بالکل بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اکبر الٰہ آبادی نے اپنے اشعار میں ٹھیٹھ اسلام پیش کیا اور نہایت ہی پیارے اور دلکش حربوں سے فرنگی تسلط کا مقابلہ کیا۔ اقبال نے اسلام کی ہیجان انگیز روح اور معصوم و مقدس فطرت کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔ ان بزرگوں نے قوم کی فکری صلاحیتوں کو بڑی حد تک متاثر کیا۔ لیکن عمل کی دنیا ابھی آگے تھی۔ اس کی تکمیل و احیاء کے لئے بھی مسجد و خانقاہ کی بانجھ فضاء کو چھوڑ کر مشیت ایزدی نے مکتب فرنگ ہی سے کام لیا اور اپنی معجز نمائی کا حیرت انگیز ثبوت پیش کیا۔

قائد اعظم محمد علی جناح جس کے رگ و ریشے میں انگریزیت کوٹ کوٹ کر بھری جا چکی تھی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ اس مظلوم و محکوم قوم کو بیک وقت دو زبردست دشمنوں (ہندو اور انگریز) کے مظالم سے نجات دلانے کا کام اس سے لیا جائے گا۔ اس نے اسلام کے نام پر قرآنی قانون کو نافذ کرنے کے لئے پاکستان کا مطالبہ کیا۔ پاکستان جو اقبال کے دماغ سے نکلا تھا، جناح کے ہاتھوں مکمل ہوا۔

اب اسی اقبال و جناح کی مراد و مدعا کے مطابق ضرورت ہے اس میں اسلام کو رائج کرنے کی۔ قرآن کو بلند کرنے کی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سا اسلام رائج کیا جائے؟

کس قرآن کو بلند کیا جائے؟

آپ حیران ہوں گے کہ اسلام تو ایک ہے اور قرآن بھی ایک ۔ پھر کون سا کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس سوال کا مفصل جواب تو اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ یہاں اختصاراً سمجھ لیجئے کہ ہمارے ہر فرقے کا اسلام و قرآن الگ ہے۔

1. ایک اسلام تو وہ ہے جو 14 لاکھ حدیثوں کے بوجھ تلے دبا کراہ رہا ہے۔

2. دوسرا وہ ہے جو مختلف فقہی اسکولوں کے نرغے میں پھنسا ہوا بچ نکلنے کے لئے فریاد بھی نہیں کر سکتا۔

3. اور ایک تیسرا اسلام ہے جو حضرات اہلبیت کرام کے لکڑی اور کاغذ کے تعزیوں کے ساتھ بندھا ہوا کوچہ و بازار میں سالانہ گردش کرتا نظر آتا ہے۔

4.ایک چوتھا اسلام وہ ہے جو استخوان فروش مجاوروں اور پیر زادوں کے حلقے میں ہُو حق کے نعرے لگانے اور حال و قال کی بزم آرائی کے لئے مجبور ہے۔

5. ان کے علاوہ ایک اور اسلام بھی ہے جس کے بطن سے نئی نئی نبوتیں اور خلافتیں جنم لیتی ہیں۔

کہاں تک گناؤں۔ مدت ہوئی "مذاہب اسلام" نام سے حیدر آباد کی چھپی ہوئی ایک کتاب دیکھی تھی جو کم و بیش ہزار صفحات پر مشتمل ہو گی۔ اس میں عجیب و غریب قسم کے بے شمار اسلام بتائے گئے ہیں۔ **اس کے آخری صفحات سے معلوم ہوتا تھا کہ سماوی نبوت کے ختم ہو جانے کے باوجود خانہ ساز نبوتوں اور اسلاموں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔**

اب پاکستان میں جو اسلامی قانون رائج ہو تو وہ کس اسلام کے مطابق ہو؟ یہ بڑا ٹیڑھا سوال ہے جو ہمارے واضعین قانون کو پریشان کئے ہوئے ہے۔

یہ**" کثرت اسلام ہا"** ایک عالمگیر مرض ہے، جس میں تمام مسلمانان عالم مبتلا ہیں اور خطہ ارض میں ہماری پستی اور ذلت کا یہی واحد سبب ہے۔

دفعئیہ مرض کے لئے سب سے پہلے اسباب مرض تلاش کئے جاتے ہیں۔ پھر علامات اور پھر علاج تجویز کیا جاتا ہے۔

ہمارے پیکر ملی کے مریض ہونے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں۔ ہم یقیناً وہ نہیں ہیں جو ہمیں قرآن بنانا چاہتا ہے۔ پھر یہ کیوں ہے؟

اتنے بے شمار اسلام کہاں سے آ گئے؟

یقیناً محمد رسول اللہؐ نے ان سب کی طرف دعوت نہیں دی تھی۔ ان کے پاس بالاتفاق ایک ہی اسلام تھا۔ یہ سوال بیحد اہم ہے۔ اس پر ہماری موت و حیات کا انحصار ہے۔ اگر ہم اس کا جواب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ہماری قومی کشتی یقیناً ساحل نجات سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔

خوش قسمتی سے اس کا جواب حاصل کرنے کے لئے آج ہمیں پہلا قدم اٹھانے کی زحمت برداشت کرنے ضرورت نہیں۔ جس وقت انگریز کی بندھنیں ہمارے اعضاء و اعصاب پر مضبوط ہو رہی تھیں اسی وقت کچھ لوگ اس مشکل کا حل تلاش کرنے میں منہمک تھے۔ قریب قریب ایک ہی وقت میں مختلف حلقوں سے ایک ہی قسم کی آواز اٹھی۔ یہ ایک توارد تھا جو تصرف الٰہی سے وقوع پذیر ہو رہا تھا۔

آج (1949) سے 50/60 (130/140) سال پہلے اسی شہر لاہور سے ایک آواز بلند ہوئی کہ; اسلام وہ نہیں جو رائج ہے۔ بلکہ اسلام پورے کا پورا قرآن تنہا قرآن کے اندر موجود ہے۔ یہ ابتدائی قدم تھا بنیادی صداقت کی طرف ، لیکن اس میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ لغزشیں تھیں۔ اس کا دعویٰ صحیح ، دلائل صحیح، لیکن جو اسلام اس کے داعیوں[1] نے پیش کیا وہ بھی مروجہ اسلاموں ہی کی طرح ایک فرقہ بندانہ کوشش تھی جو پنپ نہ سکی۔ لیکن فضاء میں ایک عظیم گونج چھوڑ گئی۔ طبائع میں تجسس پیدا ہو گیا۔ لگ بھگ اسی زمانہ میں عظیم آباد پٹنہ میں شمس العلماء مولانا محبؔ الحق عظیم آبادی نے ایک سلسلہ تصانیف شروع کیا جس کی تکمیل

---

[1] ؎ داعی اول مولوی عبداللہ چکڑالوی مرحوم کے نام سے مشہور ہیں۔

شریعۃ الحق، بلاغ الحق نام کی دو کتابوں پر ہوئی، جن میں پوری سنجیدگی کے ساتھ اور عبور تحیر کے ساتھ ثابت کیا کہ **مسلمانوں کی عالمگیر بربادیوں کی ذمہ دار وہ متضاد حدیثیں ہیں جن پر ہر فرقہ ایک دوسرے سے الجھنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ اور کامل دین صرف قرآن میں ہے۔** یہی نعرہ دہلی جامعہ ملیہ سے حضرت مولٰینا حافظ محمد اسلم جیراج پوری [2]نے بلند کیا۔ آپ کا لہجہ حد درجہ متین و مدلل ہے۔ بہار ہی کے ایک دوسرے بزرگ علامہ تمنا عمادی مدظلہٗ بھی اسی میدان کے شہسوار ہیں۔ اس متبرک صف میں صرف آپ ہی ہیں جو باوجود پیرانہ سالی کے اب تک خدمت قرآن کر رہے ہیں۔ پنجاب کے تجارتی شہر امرت سر مرحوم میں یہ کام اللہ تعالیٰ نے خواجہ احمد الدین ؒ اور ان کے مخلص رفقاء سے لیا۔ مولانا اسلم کا لگایا ہوا بیج ماہنامہ طلوع اسلام کی شکل میں کراچی میں پھل پھول رہا ہے۔

اور خواجہ احمد الدین مرحوم کی روح جریدہ "البیان" لاہور میں کام کر رہی ہے۔ یہ وہی البیان ہے جس نے "دو اسلام "کے مصنف کی حیرت انگیز تبلیغی تصنیف "دو قرآن" کو مسلسل قوم و ملک کے سامنے پیش کیا۔

پاکستان بننے سے بہت پہلے کار ساز غیب نے ان بزرگوں کے ذریعے یہ بات واضح کر دی کہ ہمارے بے شمار اسلاموں کا منبع ہماری فرقہ بندیوں کی وجہ ، ہماری مسلسل تباہیوں اور بربادیوں کا واحد سبب وہ بے شمار متضاد و متخالف حدیثیں ہیں جن سے ہر فرقہ اپنے مطلب کی بات نکال لیتا ہے۔ مختلف فقہی حلقوں کی حدیثیں الگ۔ شیعوں کی حدیثیں الگ ۔ صوفیوں کی حدیثیں الگ ۔ اہل حدیث کہلانے والوں کا

---

[2] ؒ مولانا بفضل خدا اس وقت 93 سال کی عمر میں ہیں اور کراچی میں موجود ہیں۔ (1950)

ذخیرہ الگ ۔ نئے نئے مدعیان مسیحت و مہدیت کا دفتر جدا۔ اسماعیلیوں اور باطنیوں کا سرمایہ سب سے انوکھا۔ غرض کیا ہے جو اس مداری کی پٹاری میں نہیں۔

قائد اعظم کی زبان سے پاکستان کے آئین کے متعلق "قرآن" کے سوا کبھی کوئی لفظ نہ نکلا۔ میں سمجھتا ہوں یہ سب تصرف الٰہی کے تحت ہوا۔ ورنہ کہاں انگریزی ماحول کا پروردہ جناح اور کہاں قرآن کہاں حکمائے فرنگ کا شاگرد اقبال اور کہاں ریگ زارِ حجاز کا عشق۔

"دو قرآن" اور "دو اسلام" کا مصنف بھی مے کدہ فرنگ کے خراباتیوں سے ہے۔ جس سے مشیت خداوندی اپنا کام لے رہی ہے۔

اس نے "دو قرآن" لکھ کر نئی نسل کے سامنے جمال قرآنی کے وہ دلکش دل گداز اور دل افروز گوشے آشکار کئے جو مُلا کی گھناؤنی کہانیوں کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ حالی ، اکبر اور اقبال زمین تیار کر چکے تھے۔ برق نے اس زمین کو گلہائے رنگ رنگ کی جنت بنا دیا۔ اقبال نے کہا تھا

صد جہاں باقی ست در قرآن ہنوز

اند کے خود را در آیا تش بہ سوز

برق نے اس "صد جہاں" کے سراغ کی راہ نکال لی۔ اب آنے والی نسلیں اس کو ڈھونڈیں گی اور پائیں گی۔ اس کی زیر نظر تصنیف پاکستان اور آئین پاکستان کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کے حل کی طرف ایک مؤثر قدم ہے۔

میں کہتا ہوں یہ ایک بم ہے ایٹم بم ان تمام مصنوعی مذاہب کے لئے جو "اسلام" کے نام سے مسلمانوں کے اندر آتشِ فتنہ و تفریق بھڑکائے ہوئے ہیں۔

یہ ایک دعوت ہے۔ مؤثر دعوت قرآن کی طرف۔ قرآن ہی ہے جس کے آگے سب اسلامی فرقوں کو جھکنا پڑے گا۔ قرآن ہی ہے، جس میں ہماری تمام ملی بیماریوں کا علاج ہے۔ قرآن ہی ہے جو بے منت شارحین و مفسرین ہمیں ہمیشہ پیدا ہونے والی نئی نئی فرقہ بندیوں اور مسیحیوں اور مہدیوں کے فتنوں سے نجات دلا سکتا ہے۔

یہ آواز آج نہیں تو کل پاکستان کو اپنانی پڑے گی۔ ملاؤں کا زور توڑنا پڑے گا۔ موجودہ ملا و پیراسلام کے تابناک چہرے پر ایک جذامی پردہ ہے۔ جس کی وجہ سے اپنے پرائے سب اسلام سے بیزار ہو رہے ہیں۔ قدرت اب زیادہ دیر تک قرآن پر حدیث کے مظالم کو برداشت نہیں کرے گی۔ مُلائیت کی موت قریب آ لگی ہے۔ ملائیت کی موت اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ہو گی۔

آخر میں ، میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ دنیا میں کوئی دو انسان جو فہم و فراست رکھتے ہوں، ہر بات میں متفق نہیں ہو سکتے۔ شریفانہ اختلاف عین منشائے فطرت ہے۔ موجب اصلاح و ارتقاء ہے۔ راقم کو "دو اسلام" کے مصنف سے کئی جگہ اختلاف ہے۔ مسائل میں بھی اور انداز بیان میں بھی۔ ایسی تصنیف کے لئے جس سنجیدگی کی ضرورت ہے ۔ کئی جگہ محترم مصنف اس کو ملحوظ نہیں رکھ سکے۔ ان کے قلم میں جوانی کا جوش ہے۔ ایک سخت قسم کی تڑپ ہے۔ اس اسلام کو پا لینے کے لئے جو ان کو قرآن میں نظر آیا ہے۔ وہ اس کے لئے تاخیر و انتظار کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں یہ انسانی

فطرت ہے ۔ جب ہمیں اس قسم کی تلخ گوئی مجسمہ عفو و صفح مسیح علیہ السلام کی زبان سے سننے میں آتی ہے تو ہم "دو اسلام" کے مصنف سے چشم پوشی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے وقت کے ملاؤں، فقیہوں اور فریسیوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

"اے ریا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ! ایک مرید کرنے کے لئے خشکی و تری کا کا دورہ کرتے ہو، اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بناتے ہو۔ اے اندھے راہ بتانے والو تم پر افسوس ! اے احمقو اور اندھو! ظاہر میں تو لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو، مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرتے ہو۔ اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے" وغیرہ ذالک

اگر معاملہ یہیں تک رہتا تو محتاط اور معتدل قسم کے اصحاب بھی مصنف سے سؤ ظن رکھنے میں حق بجانب ہو سکتے تھے۔

لیکن اس نے نہایت فراخدلی سے جا بجا اعتراف کیا ہے کہ وہ حدیث رسول کا مخالف نہیں بلکہ ان منسوب الی الرسول باتوں کے خلاف مسلح ہو کر اٹھ رہا ہے۔ جو دشمنان اسلام یا اسلام کے نادان دوستوں نے وضع کر کے رسولؐ کے نام پر مشتہر کر دیں اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت اور صف شکن نظام کو پارہ پارہ کر دیا۔

اور اس کا سینہ علمائے ربانی کے احترام سے معمور ہے۔ جنھوں نے اصلاح مسلمین اور ترویج دین کی خاطر صعوبتیں برداشت کیں۔

ہاں ! اس کا زور قلم ان سوداگران مذہب کے خلاف صرف ہوا۔ جنھوں نے اسلام کی پاکیزہ اور معطر فضا میں پادریت اور برہمنیت کی مسموم و متعفن گیس پھیلائی۔ اور ساری امت کے ذہن و دماغ کو ماؤف کر دیا۔

اس سے زیادہ تعارف کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ مجھ سے بہت بہتر یہ دلچسپ، مفید اور معلومات سے بھری ہوئی کتاب اپنا تعارف آپ کرائے گی۔ اگر آپ کے دل پر ملائی رنگ کی تہیں نہیں چڑھ چکیں تو آپ اس کو پڑھتے چلے جائیں گے اور ہاتھ سے نہیں رکھیں گے جب تک ختم نہ کر لیں۔

عرشیؔ

(علامہ محمد حسین عرشی)

لاہور

حرف ثانی

"دو اسلام" پہلی مرتبہ 1949ء میں شائع ہوئی تھی اور آج 1957 ء ہے۔ چونکہ کتاب کی زبان تلخ اور انداز تنقید بےباکانہ تھا۔ اس لئے بعض حلقوں میں آگ لگ گئی اور کتاب کے جواب میں بیسیوں مقالے اور نصف درجن کے قریب کتابیں لکھی گئیں جن میں میری تنقیدات کا جواب دیا گیا۔ تلخی لہجہ کی شکایت کی گئی اور بعض اغلاط کو واضح کیا گیا۔ لیکن کوئی صاحب اس بات کو واضح نہ کر سکے کہ:

1. حدیث وحی ہے یا نہیں؟

2. اگر ہے تو قرآن کا حصہ کیوں نہ بنی؟

3.اللہ اور رسولؐ اور صحابہؓ نے قرآن کی طرح اس کی حفاظت کیوں نہ کی؟

4.حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا مجموعہ احادیث کیوں جلایا تھا اور فاروق اعظمؓ نے صحابہؓ کی احادیث کو کیوں سپرد آتش کیا تھا ؟

1. وحی متلو اور غیر متلو تحقیقی جائزہ (1)

2. وحی متلو اور غیر متلوتحقیقی جائزہ (2) [قرآن کا مثل ؟]

5۔ کہ ایک ہی حدیث کو جب مختلف راوی بیان کرتے ہیں تو الفاظ و جزئیات میں اختلاف کیسے پیدا ہو جاتا ہے؟

صحاح ستہ میں ایسے اختلافات کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں ۔ یہاں بطور نمونہ صرف ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

مشہور حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام انسانی صورت میں حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور چند سوالات پوچھے۔ یہ مکالمہ بخاری و مسلم نے یوں بیان کیا ہے:۔

پہلا سوال: ما الا یمان (ایمان کیا ہے)

جواب: بخاری میں

قال الایمان ان تومن باللہ و ملائکۃ و بلقائہ و رسلہ و تومن بالبعث

(ایمان یہ ہے کہ تم اللہ ، فرشتوں ، خدا سے ملاقات، رسولوں اور قیامت پہ ایمان لاؤ)

مسلم میں دو جواب ہیں

1۔ **قال ان تومن باللہ و ملائکۃ و کتابہ و لقائہ و رسلہ و تومن بالبعث الاخر۔**

(بہ روایت ابو ہریرہ جلد 1 ص 171)

ان دونوں جوابات میں چار اختلاف ہیں (1) مسلم نے قال کے بعد الایمان چھوڑ دیا۔(2) ملائکتہ کے بعد و کتابہ کا اضافہ کیا (3) بخاری میں بلقائہ ہے اور مسلم میں ولقائہ (4) بخاری میں بالبعث ہے اور مسلم میں بالبعث الاخر۔

2۔ قال ان تومن باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ والیوم الاخر و تومن بالقدر خیرہ و شرہ الخ (بہ روایت عمر بن الخطاب جلد 1 ص 164)

(کہ تم خدا ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں، یوم آخر اور تقدیر خیر و شر پہ ایمان لاؤ)

یہاں کتاب کی جگہ کُتب ہے اور ایمان بالتقدیر کا اضافہ بھی۔

دوسرا سوال تھا: ماالا سلام (اسلام کیا ہے؟)

بخاری کا جواب ہے: **ان تعبد اللہ و لا تشرک بہ شیئا و تقیم الصلوٰۃ ۔ ۔الخ**

اور مسلم میں دو جواب درج ہیں: **ان تعبداللہ ولا تشرک بہ شیئا و تقیم الصلوٰۃ المکتربتہ ۔ ۔ الخ**

اور دوسرے میں" **و تحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا** " کا بھی اضافہ ہے۔

ایک اور سوال تھا: متی الساعۃ (قیامت کب آئے گی؟)

بخاری کا جواب:

قال ما المسئول عنھا باعلم من السائل و ساخبر لا من اشراطھا اذا ولدت الامہ ربھا و اذا تطاول رماۃ الابل البھم فی فی البنیان ۔ ۔ الخ

(فرمایا۔ اس معاملے میں میرا علم سائل سے زیادہ نہیں، البتہ علامات قیامت بتا دیتا ہوں۔ جب لونڈی کے بطن سے اس کا آقا پیدا ہو گا اور کالے اونٹ چرانے والے (یا اونٹوں کے کم عقل چرواہے) عالیشان محلات کے مالک بن جائیں گے ۔ ۔ الخ)

مسلم کے دو جواب:

1۔ قال ان تلد الا متہ ربتھا و ان تری الحفاۃ العالۃ رعا ء الشاء یتطاولون فی البنیان۔۔ الخ (بہ روایت عمر بن الخطاب مسلم جلد 1 ص 199)

(فرمایا جب لونڈی کے بطن سے اس کی مالکہ پیدا ہو گی اور بھیڑوں کے برہنہ پا برہنہ بدن اور مفلس چرواہے عالیشان محلات کے مالک بن جائیں گے)

بخاری کے جواب اور مسلم کے اس جواب میں بہت فرق ہے۔ وہاں لونڈی کی بطن سے آقا پیدا ہونے کا ذکر تھا اور یہاں مالکہ۔ وہاں محلات کے مالک اونٹوں کے کم عقل چرواہے تھے اور یہاں بھیڑوں کے برہنہ پا، برہنہ بدن اور مفلس گڈریے)

مسلم کا دوسرا جواب:

اذاولدت الامۃ ربھا فلاک من اشراطھا و اذا کانت العراۃ الحفاۃ رؤس الناس فذاک من اشراطھا و اذا تطاول رعاء البہم فی البنیان فذالک من اشراطھا ۔ ۔الخ (بہ روایت ابو ہریرہ جلد 1 ص)

(یہ جواب نہ صرف بخاری کے جواب سے مختلف ہے بلکہ خود مسلم کے پہلے جواب سے بھی کافی اختلاف رکھتا ہے۔ اور لطف یہ کہ مسلم کی دوسری روایت اور بخاری کی روایت کا آخری راوی ایک ہے۔ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ۔

قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبریل کے پہلے سوال کے جواب میں حضور صلعم نے وکتبہ اور ایمان بالقدر کو فہرست ایمان میں شامل کیا تھا یا نہیں۔ اگر کیا تھا، تو بخاری کی حدیث میں ان کا کیوں ذکر نہیں۔ پھر حضور صلعم نے وہ کتابہ فرمایا تھا یا و کتبہ؟ اگر کتابہ کہا تھا تو حضرت عمرؓ نے وکتبہ کہاں سے لیا۔ اگر کتبہ فرمایا تھا تو حضرت

ابوہریرہؓ کتابہ کہاں سے لے آئے؟ چونکہ واقعہ ایک ہے اس لئے ایک ہی بات صحیح ہو سکتی ہے کہ :

یا تو حضور صلعم نے ایمان بالتقدیر و الکتب کو شامل ایمان فرمایا تھا یا نہیں ؟

اگر فرمایا تھا تو بخاری کی روایت غلط ہے۔

اور اگر نہیں فرمایا تھا تو مسلم کی روایت غلط ٹھہرتی ہے ۔

ممکن ہے کہ آپ فرمائیں کہ یہ واقعہ بخاری کے راویوں نے اس طرح بیان کیا تھا اور مسلم کے راویوں نے اُس طرح۔ ان دونوں نے جیسا سنا ویسے لکھ دیا۔ ان کا کوئی قصور نہیں لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ صحیح واقعہ کس نے بیان کیا ہے؟

مسلم نے یا بخاری نے؟

دونوں صحیح نہیں ہو سکتے۔

لونڈی کے سلسلے میں یا تو حضور نے ربھا (آقا) کہا ہو گا یا ربتھا (مالکہ) کہا ہو گا اور عالی شان محلات کا مالک یا تو سیاہ اونٹوں کے احمق چرواہوں کو بنایا ہو گا ، اور پا برہنہ پا ، برہنہ بدن اور مفلس گڈریوں کو۔ **ان میں سے جو روایت بھی صحیح سمجھی جائے، دوسری خود بخود غلط ہو جاتی ہے۔**

اگر آپ یہ کہیں کہ راویوں کو پورا واقعہ بھول گیا تھا ، اور جسے جو یاد رہا سنا دیا ، تو اس پر بھی وہی اعتراض وارد ہو گا۔ کہ کس نے صحیح سنایا؟ دونوں کا صحیح ہونا ناممکن ہے۔ پس لازماً ایک روایت

واقعہ کے مطابق اور دوسری خلاف واقعہ ہو گی۔ اور یہ بھی امکان ہے کہ دونوں خلاف واقعہ ہوں۔

صحاح میں اس طرح کی احادیث بے شمار ہیں۔ کہ واقعہ ایک ہے لیکن روایات میں بڑا اختلاف ہے اور ان تمام کو بیک وقت صحیح کہنا نا ممکن ہے۔

احادیث کے مشتبہ ہونے پر یہ داخلی شہادت اتنی زیادہ اور زبردست ہے کہ ایک طالب حقیقت کو کوئی دلیل اور کوئی تاویل مطمئن نہیں کر سکتی۔

صحابہ میں اختلاف احادیث:

میرے نقاد اس امر پر مُصر ہیں کہ عہد صحابہ میں احادیث اختلاف سے پاک تھیں۔ لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر اختلاف نہیں تھا، تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے صحابہ سے کیوں فرمایا تھا:

"تم لوگ آج احادیث میں اختلاف رکھتے ہو ۔ آئندہ یہ اختلاف بڑھتا چلا جائے گا۔ اس لئے تم آنحضرتؐ سے کوئی احادیث روایت نہ کرو۔ اور اگر کوئی پوچھے تو کہو ، کہ ہمارے پاس قرآن موجود ہے۔ جو اس نے جائز قرار دیا ہے۔ اسے جائز اور جسے ناجائز قرار دیا ہے اسے ناجائز سمجھو" (تذکرۃ الحفاظ ۔ ذہبی ص 3)

تو جو احادیث حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں مختلف فیہ تھیں وہ اڑھائی سو برس بعد امام بخاری و مسلم کے دور میں کیسے صحیح اور متفق علیہ بن گئیں۔

دلچسپ بات: مولانا محمد داؤد راز (بمبئی) نے بھی "دو اسلام" کا جواب لکھا ہے۔ عنوان کتاب ہے "خالص اسلام" اس میں پہلے شبلی کا ایک قول نقل کرتے ہیں۔

"حضرت ابوبکرؓ نے پانچ سو حدیثیں قلمبند کی تھیں۔ لیکن بھر ان کو آگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعے سے روایت کی ہو۔ اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو"

(نقل از الفاروق ص 45)

اور پھر اس قول پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

" اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت صدیقؓ نے اس مجموعہ کو مشکوک و مشتبہ ہونے کی وجہ سے تلف کر دیا تھا ، اور یہ آپ کا بہترین اقدام تھا ، کہ ایسا نہ کیا جاتا تو ایک مشکوک و مشتبہ چیز آپ کے توسط سے اشاعت پا جاتی"(خالص اسلام ص 54)

حضرت صدیقؓ پورے تئیس برس تک آقائے نامدارؐ کی خدمت میں رہے۔ آپ نے حضور صلعم کے ہزار ہا اقوال و خطبات اپنے کانوں سے سنے۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے جو مجموعہ احادیث مرتب کیا تھا وہ دیگر تمام مجموعوں سے صحیح ترین ہو گا۔ وہ کسی مشکوک روایت کی تصدیق خود رسالت پناہ سے کرا سکتے تھے۔ ہزار ہا صحابہ بھی مدینہ میں موجود تھے۔ **اگر ان تمام سہولتوں کے باوجود انھوں نے اپنے مجموعے کو مشکوک سمجھ کر جلا ڈالا تھا، تو پورے اڑھائی سو سال بعد امام بخاری و مسلم کے مجموعے کیسے صحیح ہو گئے؟**

اور ان کی روایتیں کیسے وحی خفی بن گئیں ؟

حضرت صدیقؓ و عمرؓ کی روایات ہمارے محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ سے 142 احادیث مروی ہیں۔ جن میں سے صرف 6 متفق علیہ ہیں۔ ان میں سے بخاری نے گیارہ اور مسلم نے صرف ایک روایت درج کی ہے۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظمؓ 539 احادیث کے راوی بتائے جاتے ہیں۔ ان میں سے متفق علیہ صرف دس ہیں۔ بخاری نے ان کی دس اور مسلم نے پندرہ روایات لی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یوں تو حضرت صدیقؓ کی وہ روایات جن کی صحت پر تمام ائمہ حدیث متفق ہیں صرف چھ ہیں ، لیکن امام بخاری کی صحیح میں گیارہ درج ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ باقی پانچ بھی صحیح ہیں؟

اگر ہیں تو متفق علیہ کیوں نہیں؟

اور اگر مشکوک ہیں تو صحیح بخاری میں کیسے آ گئیں ؟

حضرت ابن عباسؓ کا رویہ حضرت ابن عباس مشہور صحابی تھے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بشیر بن کعب العدوی آپ کے ہاں گئے اور احادیث سنانا شروع کیں۔ لیکن ابن عباس نے کوئی بات نہ سنی اور نہ بشیرکی طرف دیکھا۔ بشیر نے شکا یتاً کہا کہ میں حدیث سنا رہا ہوں اور آپ سنتے ہی نہیں۔ آپ نے جو جواب دیا وہ دو طرح منقول ہے۔

"انا کنا نحدث عن رسول اللہ صلعم اذلم یکن یکذب علیہ فلما رکب الناس الصعب و الذلول ترکنا الحدیث عنہ" (مسلم مع فتح الملہم جلد 1 ص 128)

(حضور صلعم کی طرف جھوٹی روایات منسوب ہونے سے پہلے ہم حدیثیں بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن جب سے لوگوں نے سچ اور جھوٹ کو ملا دیا ہے ہم نے حضورؐ سے حدیثوں کی روایت ترک کر دی ہے)

دوسرے جواب کا آخری حصہ یوں ہے

"۔ ۔ ۔ لم ناخذ من الناس الا مانعرف" (مسلم جلد 1 ص 128)

(کہ جب سے لوگوں نے سچ میں جھوٹ کو ملا دیا ہے ہم لوگوں سے وہی حدیثیں لیتے (یا سنتے) ہیں جس کی صداقت کا ہمیں یقین ہو)

مُغیرہؓ کا قول ہے۔

"لم یکن یصدق علیٰ علی فی الحدیث عنہ الا من اصحاب عبداللہ بن مسعود" (مسلم جلد 1 ص 129)

(کہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھیوں کے سوا باقی جن لوگوں نے حضرت علی سے احادیث روایت کی ہیں وہ قابل اعتماد نہیں)

ان اقوال سے تو واضح ہے کہ خود صحابہ کے عہد ہی میں حدیث کا سرچشمہ مکدر ہو چکا تھا ۔

اور سچ میں جھوٹ اس قدر مل گیا تھا کہ حضرت ابن عباسؓ نے احادیث کو سننا تک چھوڑ دیا تھا۔ حضرت صدیق نے اپنا مجموعہ جلا ڈالا تھا اور حضرت فاروق نے مدینہ بھر کا ذخیرہ حدیث نظر آتش کر دیا تھا۔ جب خود صحابہ کے دور میں احادیث کی کیفیت یہ تھی، تو وہی احادیث اڑھائی سو برس بعد **"وحی خفی"** کا درجہ کیسے حاصل کر سکتی تھیں؟

احادیث صحیحہ

میرے نقاد مجھے منکر حدیث ٹھہراتے ہیں۔ ان کا یہ خیال صحیح نہیں۔ ارباب حدیث سے میرا اختلاف تین باتوں میں ہے۔

یہ حضرات حدیث کو "وحی" (خفی) کہتے ہیں ، ان پہ قرآن کی طرح ایمان لاتے ہیں اور صحاح ستہ کی تمام احادیث کو صحیح سمجھتے ہیں۔

میرا موقف یہ ہے کہ حضور صلعم پر بوساطت وحی صرف قرآن نازل ہوا تھا کہ احادیث حضورؐ کے بشری اقوال تھے۔ جن میں انتہا درجے کی تحریف ہوئی۔ کہ صحاح کی ساری احادیث صحیح نہیں۔

رہا یہ امر کہ آیا کوئی حدیث صحیح ہے بھی یا نہیں؟

تو اس کے متعلق میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ صحت کے دو مفہوم ہیں۔
1.اول یہ کہ کسی حدیث کی نسبت حضور صلعم کی طرف صحیح ہو۔ ان معنوں میں کوئی بھی حدیث یقینی طور پر صحیح نہیں۔

2.دوم یہ کہ حدیث کا مضمون قرآن سے متصادم نہ ہو۔

اور ان معنوں میں ہزارہا حدیثیں صحیح ہیں۔

جب ہم گلستان ، بوستان، بہار دانش اور مثنوی مولانا رومی کی حکایات سے لطف انداز ہوتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جب ہم امام غزالی کی "احیاء العلوم" سقراط کے "اشعار زریں" اور شیخ عبدالقادر گیلانی کی "غنیتہ الطالبین" کو زندگی میں شمع راہ بناتے ہیں تو پھر صحیح احادیث سے درس لینے میں کون سا امر مانع ہے۔

اس وقت ایک طرف اہلحدیث اور اہل سنت سے علماء ہیں جو صحاح کے ہر رطب و یابس کو واجب الایمان قرار دیتے اور ہر حدیث کے دفاع میں سر دھڑ کی بازی لگائے بیٹھے ہیں۔

اور دوسری طرف ایسا ایسا گروہ ہے جو حدیث کے تمام تر ذخیرے کو سو ختنی قرار دیتا ہے۔

ان دو انتہاؤں کے درمیان راہ اعتدال یہی ہے کہ صحیح المضمون احادیث کو سمجھ کر ان سے فائدہ اٹھایا جائے اور دیر و زود دونوں گروہوں کو یہ راہ اختیار کرنا ہی پڑے گی۔

<u>کتابت احادیث</u>

بعض احادیث سے پتا چلتا ہے کہ چند اصحابؓ نے احادیث لکھ لی تھیں۔ خود حضور صلعم نے بھی چند خطوط ، فرامین اور معاہدات قلمبند کرائے تھے۔ حیدر آباد دکن کے پروفیسر حمید اللہ نے حضورؐ کے یہ فرامین و معاہدات وغیرہ ایک جلد میں جمع کر دئیے ہیں۔ جس کا نام ہے "الوثائق السیاسیہ" اور کچھ احادیث اس مضمون کی بھی موجود ہیں کہ حضور نے کتابت احادیث سے روک دیا تھا۔

نیز روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقؓ و فاروقؓ ذخائر احادیث کو جلاتے بھی رہے۔

ان حالات میں کسی مجموعہ احادیث کا باقی رہ جانا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ کوئی مجموعہ بچ گیا تھا۔ تو یہ فیصلہ کرنا کہ اس کی کونسی روایت ہمارے وضاعین و محرفین کی دستبرد سے محفوظ رہی ، مشکل تر ہے ۔ مزید تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائیے۔

<u>لفظ مُلا کی تشریح</u> میں نے اس کتاب میں مُلا پر بڑی لے دے کی ہے۔ کیوں ؟ بہ دو وجوہ

اول۔ ائمہ حدیث نے ایسے علماء و قضاۃ کی طویل فہرست دی ہے جن کا کام حدیث گھڑنا تھا۔ دوم۔ ان وضعی احادیث کو پھیلانے کی تمام تر ذمہ داری مُلا پر ہی عائد ہوتی ہے۔ جو عقل و فہم سے کام لئے بغیر ہی ہر

حدیث کو لے اڑا۔ اور بستی بستی اپنے وعظوں اور خطبوں میں بیان کرتا رہا۔

یہ خالی دعاؤں سے جنت خریدنے اور ایک آدھ نفل پڑھنے پر ہزار ہزار حج کا ثواب کا نا معقول تخیل کس نے پیدا کیا؟

قوم کو یہ کس نے سمجھایا کہ وہ کام کرے یا نہ کرے خدا اسی کا ہے، شفاعت اسی کے لئے ہے اور جنت تو اس کے بابا کی خاص جاگیر ہے۔

ملا کسی خاص طبقے کا نام نہیں۔ بلکہ ایک خاص قسم کی ذہنیت ہے۔ یہ غلط ہے کہ درس نظام کے فارغ التحصیل طلبہ سب کے سب ملا ہوتے ہیں۔ اور سارے انگریزی خوان مسٹر ۔ دیو بند ، سہارن پور، خیر آباد ، لاہور، لکھنؤ اور دہلی کے مکاتب و مساجد سے شبیر احمد عثمانی ، سید انور شاہ، رشید احمد گنگوہی، محمود الحسن، فضل حق خیر آبادی، عبدالحئی فرنگی محلی، عبدالحکیم سیالکوٹی ، ثنا اللہ امرتسری، سید سلیمان ندویؒ جیسے سینکڑوں علماء پیدا ہوئے اور انگریزی یونیورسٹیوں سےلا تعداد ملا بھی نکلے۔ **مُلا ایک ذات صد جہات ہے۔جس کے تمام اوصاف بیان کرنا مشکل ہے اس لئے چند موٹی موٹی علامات حاضر ہیں۔**

1۔ مُلا ذہناً نہایت تنگ نظر ہوتا ہے۔ کسی غیر مذہب کے آدمی کو برداشت کرنا تو رہا ایک طرف ، وہ ان مسلمانوں کو بھی برداشت نہیں کر سکتا جن کی ڈاڑھی نہ ہو، جو انگریزی علوم پڑھتے ہوں اور کوٹ پتلون پہنتے ہوں۔ بلکہ وہ ساتھ والی مسجد کے مُلا کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اسےفاسق اور اس کی مسجد کو مسجد ضرار بنانے کے لئے کوئی نہ کوئی دلیل گھڑتا ہی رہتا ہے۔

2۔ مُلا علوم جدیدہ کا دشمن ہوتا ہے۔

3۔ کافر و فاسق بنانے میں ید طولیٰ رکھتا ہے۔

4۔ لوگوں کے گھر سے کھاتا ہے اور خود کبھی نہیں کھلاتا۔ کھاتے وقت منہ سے سُرڑ سُرڑ کی خوفناک آوازیں نکالتا اور ریش دسبُل کو شوربے میں بھگو لیتا ہے۔

5۔ یہ شاہراہوں پر ڈھیلا کرتا اور دوسروں کو اس نمائش کی ترغیب دیتا ہے۔

6۔ اپنے مقتدیوں کو خوش کرنے کے لئے جنت و مغفرت کے نہایت آسان نسخے جعلی احادیث سے ڈھونڈ کر لاتا ہے۔

7۔ تاریخ عالم سے نا آشنا۔ حالات دہر سے بے خبر اور سیاسیات سے قطعاً نا بلد ہوتا ہے۔

8۔ قلیل العلم ہونے کے باوجود اپنے علم پر سخت مغرور ہوتا ہے۔

9۔ بحث و مناظرہ میں سخت کج بحثی سے کام لیتا ہے۔ یعنی اگر حیات مسیح کا مسئلہ زیر بحث ہو تو وہ مخاطب سے یہ پوچھتا ہے کہ مسیح کا صیغہ کیا ہے۔ کون سا باب ہے۔ مہموز یا مضاعف، موجیہ کلیہ کا عکس کیا ہوتا ہے اور سیبویہ کی بکری کے کان ایک منٹ میں کتنی بار ہلتے تھے۔

10۔ گزشتہ فقہا و ائمہ سے اتنا مرعوب ہوتا ہے کہ ان کے فرمودات سے سرتابی تو رہی ایک طرف ، ان پر تنقیدی نظر ڈالنے کی بھی جرات نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی مجھ جیسا سر پھرا تنقید کر بیٹھے تو وہ وہ ملاحیاں سناتا ہے کہ تہذیب کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔

11۔ اس کی لغات میں سنجیدگی کا لفظ ہوتا ہی نہیں۔ ذرا سے اختلاف پر یہ اپنے مدمقابل کی وہ خبر لیتا ہے کہ توبہ ہی بھلی۔

میں نے اس کتاب میں جہاں کہیں مُلا کا ذکر کیا ہے اس سے مراد مذکورہ الصفات ہستی ہے نہ کہ شبلی و حالی جیسے علمائے کرام۔ میرے ناقدین نے مجھ پر یہ ستم کیا ہے کہ سید سلیمان ندوی و شبلی جیسے حضرات کو بھی میرے ملا کے مفہوم میں شامل کر دیا ہے۔

<u>میرے نقاد</u>

"دو اسلام" کے جواب میں اس وقت تک جتنی کتابیں نکلی ہیں ان میں سے قابل توجہ چار ہیں۔

1۔ "ایک اسلام" از مولانا فضل احمد غزنوی شیخ الحدیث مکہ ، حال حیدر آباد سندھ

2۔ "فتنہ انکار حدیث" از مولانا افتخار بلخی ۔ کراچی

3۔ "صرف ایک اسلام" از مولانا محمد سرفراز خاں خطیب گکھڑ

4۔ "خالص اسلام" مولانا محمد داؤد راز بمبئی

ایک لحاظ سے میں ان کا مشکور ہوں ۔ اور خصوصاً مولانا محمد سرفراز خان کا کہ انھوں نے میری بعض اغلاط واضح کیں۔ موجودہ ایڈیشن کو ان اغلاط سے پاک کر دیا گیا ہے اور تحریر کی تلخی کو بھی بڑی حد تک کم کر دیا گیا ہے۔ اغلاط کی نوعیت یہ تھی کہ ایک جگہ میں ایک دعا کو آیت سمجھ کر لکھ گیا۔ تین چار مقامات پر عربی متن کا ترجمہ نا فہمی سے غلط کر ڈالا تھا۔ اور دو چار جگہ تنقید غلط ہو گئی تھی۔ ان کتابوں سے اتنا ہی فائدہ ہوا ہے کہ میں اغلاط سے بچ گیا۔ رہا

اصل موضوع کہ حدیث وحی ہے یا نہیں اور صحاح کی تمام احادیث صحیح ہیں یا نہیں۔ جُوں کا تُوں رہا۔ اور یہ حضرات میرے علم میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

مولانا سرفراز کے سوا کہ انھوں نے کتاب میں کافی حد تک سنجیدگی سے کام لیا ہے۔ باقی حضرات نے سب و شتم کا وہ مظاہرہ کیا ہے کہ شاید ہی کوئی شستہ مذاق انسان ان کا ایک صفحہ بھی پڑھ سکے۔ چونکہ ان تمام حضرات کی نیت نیک تھی اس لئے میں انھیں معاف کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صداقت و حقیقت کی روشن منزل کی طرف رہنمائی کرے۔

برقؔ

15جولائی 1957ء

حدیث میں تحریف

جب پہاڑ کے دامن سے کوئی چشمہ پھوٹتا ہے تو اس کا پانی صاف شفاف ہوتا ہے۔ لیکن جوں جوں وہ میدانوں کی طرف بڑھتا ہے ، خس و خاشاک اور خاک و غبار کی کی وجہ سے گدلا ہو جاتا ہے۔ یہی حال مذہب کا ہے۔ آج سے 1368 برس پہلے اسلام کا چشمہ دامن فاران سے پھوٹا اور کئی دھاروں میں بٹ کر مشرق و مغرب کی طرف بڑھا۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں مختلف الانواع کثافتیں شامل ہوتی گئیں۔ کہیں عیسائیوں کی رہبانیت اس میں آملی اور کہیں آریوں کا نظریہ حلول و وحدت الوجود، راہ میں کئی تصوف کی دلدلیں آ گئیں اور کہیں کلام و اعتزال کے خاکستان۔ ان مختلف گزر گاہوں سے ہوتا اور اس طویل راہ گرد کی آلودگیوں کو سمیٹتا ہوا جب یہ چشمہ ہم تک پہنچا تو ہم فیصلہ نہ کر سکے کہ یہ الہامی بلندیوں کا مقطر آب تھا یا کسی بدرو کا مکدر پانی۔ اہل نظر لرزے ، اور متلاشیان حق بے تابانہ منبع کی طرف بڑھے۔ تاکہ ان مقامات کا کھوج لگائیں۔ جہاں سے کثافت اس چشمے میں شامل ہو رہی تھی ، سفر لمبا تھا منزل کٹھن ، راہبر ناپید، خانہ ساز عقائد کی گھٹائیں محیط اور راہ تاریک ماحول میں گُم۔

ظلمات بعضها فوق بعض (ظلمت تہ بر تہ)

بیسیوں جی ہار کر بیٹھ گئے اور کچھ ان ستاروں کی مدھم روشنی میں آگے بڑھتے گئے جو گھٹاؤں کی چلمن سے ان راہ نوردوں کا تماشہ دیکھ رہے۔ جوں جوں وہ بڑھتے گئے۔ گھٹائیں چھٹتی گئیں، ظلمت سرکتی گئی۔ پردے اٹھتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ ایسے خطوں میں جا پہنچے جہاں آفتاب الہام کی تجلیوں سے نگاہیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں اور دل و دماغ منور۔ ہر حقیقت وہاں عیاں تھی اور ہر راز بے حجاب ، انھوں نے ملت کو بلند آواز سے پکارا اور کچھ کہا۔ یہ آواز چند کانوں سے ٹکرائی اور پھر گونج بن کر دشت کی پنہائیوں میں گم ہو گئی۔

جانتے ہو انھوں نے کیا کہا تھا ؟یہی کہ ہمارے شکم پرست اور خود بین سامریوں نے حرم حقیقت میں سینکڑوں بت بنا رکھے ہیں۔ جن میں ایک کا نام "وضعی احادیث" ہے۔ یعنی وہ اقوال جو لوگوں نے تراش کر حضورؐ کی طرف منسوب کر دئیے تھے اور آج وہ اقوال رسولؐ کے ساتھ یوں غلط ملط ہو چکے ہیں کہ حق کو باطل سے علیحدہ کرنا ناممکن ہو رہا ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ ہمارے بعض علماء نے سچ کو جھوٹ سے علیحدہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ راویوں کا سراغ لگایا، ان کے حالات جمع کئے بہ اندازہ ہمت تحقیق کی۔ لیکن معاملہ اس قدر الجھ چکا تھا کہ اسے سلجھانا انسانی دسترس سے باہر تھا۔ وہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ علم کم تھا ، لکھنے والے محدود اور ذخائر علم معدوم۔ صحابہ کی تمام تر توجہ قیام سلطنت ، نشر اسلام اور تعمیر ملت پر صرف ہو رہی تھی۔ ان کے پاس خود رسولؐ موجود تھے اور رسولؐ کے بعد آپ کا دیا ہوا مکمل و اتم ضابطہ حیات یعنی قرآن۔

انھیں کیا خبر تھی کہ ڈیڑھ سو سال بعد لوگ قرآن کو چھوڑ کر احادیث پہ جھک پڑیں گے۔ احادیث کا ذخیرہ بڑھتے بڑھتے چودہ لاکھ تک پہنچ جائے گا۔ ہزارہا اہل غرض لاکھوں احادیث گھڑ کر اس مقدس ذخیرے میں شامل کر دیں گے اور اس وقت مسلمانوں کو صحیح و غلط میں امتیاز کی ضرورت پیش آئے گی۔ اگر انھیں یہ معلوم ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال جمع کر جاتے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا۔ اس کی بڑی بڑی وجوہ دو تھیں۔

اول: وہ قرآن کی موجودگی میں کسی اور کتاب کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے۔ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جب رحلت سے پہلے حضور نے فرمایا کہ

ایتونی بکتاب و قرطاس اکتب لکم شیاءً لن نضلوا بعدی

لاؤ قلم دوات اور کاغذ میں تمھیں ایک ایسی چیز لکھ کر دے جاؤں کہ میرے بعد تمھاری گمراہی کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

تو حضرت عمر ؓ بن خطاب جھٹ بول اٹھے ہمیں مزید کسی تحریر کی ضرورت نہیں ، اس لئے کہ

حسبنا کتاب اللہ

ہمارے پاس کتاب الٰہی موجود ہے جس میں انسانی فلاح و نجات کے مکمل گُر درج ہیں ، اور یہ کتاب ہمارے لئے کافی ہے ۔ حضرت فاروق کا یہ جملہ رسالت پناہ کے حضور میں جسارت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ مجبور تھے اس لئے کہ کچھ عرصہ پیشتر قرآن کی یہ آیت نازل ہو چکی تھی

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی

آج میں نے تمھارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تمھیں پوری طرح عطا کر دی ہے۔

اس آیت کی رو سے نسل انسانی کی یہ کتاب ہر طرح مکمل اور پوری ہو چکی تھی۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے کسی مزید ہدایت کا انتظار بےکار تھا۔ **اور یہ بھی ممکن ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ایمان کا امتحان لے رہے ہوں۔ اس لئے حضرت فاروقؓ کا یہ جواب نہایت برمحل معلوم ہوتا ہے۔**

دوم: حضور نے حدیث لکھنے سے روک دیا تھا۔

عن ابی سعید الحذری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تکتبوا عنی و من کتب عنی شیئاً غیر القرآن فلیمحہ (صحیح مسلم)

ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کے بغیر میرا کوئی اور قول قلمبند نہ کرو۔ اور اگر کوئی شخص ایسا قول لکھ چکا ہو تو اسے مٹا دے۔اور اس کی دو وجہیں تھیں۔

اول: کہ کہیں غلطی سے احادیث قرآن کے متن میں شامل نہ ہو جائیں۔ بعض گذشتہ انبیا کے الہامی صحائف میں ان کی احادیث بھی شامل ہو گئی تھیں اور کتاب الٰہی کا حلیہ بگڑ گیا تھا۔

دوم: خود رسول کریم صلعم کی زندگی میں ان کے اقوال محترف ہو چکے تھے اور یہ ہے بھی ایک فطری چیز۔ آدمی کو اپنی کہی ہوئی بات تک یاد نہیں رہتی ، وہ دوسرے کی کیا یاد رکھ سکتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک محفل میں چھ آدمی گھنٹہ بھر گفتگو کرتے رہے

کیا یہ ممکن ہے کہ اختتام مجلس پر تمام گفتگو بالفاظہ دہرا سکیں؟

نا ممکن ہے۔ اسی طرح فرض کرو کہ ایک واقعے کو پچاس آدمی دیکھتے ہیں۔ اگر آپ ان کے پاس علیحدہ علیحدہ جا کر اس واقعے کی تفصیل قلمبند کریں، تو آپ کو ان تفاصیل میں کافی اختلاف نظر آئیں گے۔ اور اگر چھ ماہ یا سال بعد انھی لوگوں کے پاس جا کر اسی واقعے کی تفصیل دوبارہ قلمبند کریں تو یہ اختلاف اور نمایاں ہو گا۔ اور مرُور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ تفاصیل یوں بدلتی جائیں گی کہ ان کا تعلق حقیقت سے منقطع ہو جائے گا۔

حضور علیہ السلام انسان کی اس فطری کمزوری سے آگاہ تھے۔ اس لئے آپ نے حکم دے دیا تھا کہ میری حدیث قید کتابت میں مت لاؤ۔ ممکن ہے کہ آپ یہ کہیں کہ انسان اپنے یا اپنے ساتھی کی بات تو بھول سکتا ہے لیکن وہ اپنے رہبر اور محبوب پیمبر کی بات نہیں بھول سکتا۔ میں عرض کروں گا کہ آپ یہاں بھی غلطی پر ہیں۔ آپ میں سے لاکھوں نے اپنے محبوب و محترم لیڈر حضرت قائد اعظمؒ کی بیسیوں تقاریر سنی ہوں گی۔ جنھیں بعد میں پاکستان ریڈیو نے بھی بارہا دہرایا۔ لیکن آپ میں سے کتنے ایسے ہیں جنھیں آج ان تقاریر کے تین فقرے بھی یاد ہوں۔ انسان ہے ہی فراموش کا ر ، وہ سنتا ہے اور بھول جاتا ہے۔ آپ کو تاریخ کا ایک اہم واقعہ یاد ہو گا کہ حضرت فاروقؓ کے زمانے میں عراق کا قرآن حجاز سے مختلف ہو گیا تھا۔ کیوں ؟ اس لئے نہیں کہ کوئی بد نیت تحریف قرآن پہ تل گیا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے سامنے قرآن کا کوئی نسخہ موجود نہیں تھا۔ اس لئے بعض آیات حافظہ سے اتر گئیں۔ اور بعض میں کچھ رد و بدل ہو گیا تھا۔ حضرت فاروقؓ نے اس کا علاج یہ کیا کہ قرآن کے کافی نسخے لکھوا کر قلمرو کے مختلف حصوں میں بھیج دئیے اور قرآن

تحریف سے محفوظ ہو گیا۔ ابن حزم لکھتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم کی رحلت کے وقت قرآن شریف کے ایک لاکھ نسخے تیار ہو چکے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ صحابہ کرام عشق خدا میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور ان کا یہ محکم عقیدہ تھا کہ کسی آیت کو غلط پڑھنا اگر کفر نہیں تو فسق یقیناً ہے۔ اگر ان عشاقان خدا کو قرآن کی آیات بھول گئیں تھیں تو حدیث کے بھولنے پہ انھیں کون ملامت کر سکتا تھا۔

آنحضرت صلعم نے کتاب حدیث سے منع فرما دیا تھا۔ اور جو چیز لکھی نہ جائے وہ لازماً پہلے بگڑتی ہے اور بلا آخر مٹ جاتی ہے۔ حضورؐ کا مقصد بھی یہی تھا کہ قرآن کریم کے بغیر کوئی اور کتاب ہدایت باقی نہ رہے۔ اس لئے حضورؐ اور ان کے صحابہؓ قرآن کو ایک مکمل ضابطہ حیات تصور فرماتے تھے۔ اور اس کی موجودگی میں کسی اور کتاب کی قطعاً ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ورنہ اگر صحابہ کو ایک لمحے کے لئے بھی یہ خیال آتا کہ قرآن کی تفصیل، تکمیل، تفسیر یا امت کی رہبری کے لئے حدیث کا زندہ رہنا ضروری ہے تو ان کے لئے حدیث کی تدوین نہایت آسان تھی۔ پانچ چھ ہزار احادیث کا ایک مجموعہ بھی تیار کرایا جا سکتا تھا۔ تمام صحابہ زندہ تھے ان کی بیشتر تعداد مدینہ میں موجود تھی۔ اور بعض روایات کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس احادیث کی کافی تعداد لکھی ہوئی بھی تھی۔ راویوں کا لمبا چوڑا جھمیلا بھی نہیں تھا۔ ان حالات میں اگر حضرت صدیقؓ یا فاروقؓ چاہتے تو صرف ایک مہینے میں سرور عالمؐ کے تمام اقوال جمع ہو سکتے تھے۔

لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا۔ کیوں ؟ کیا انھیں اقوال رسولؐ سے معاندت تھی؟ عیاذاً باللہ! کیا انھیں اسلام سے محبت نہ تھی ؟ استغفراللہ !

1. بات یہی تھی کہ اقوال رسول میں تحریف ہو چکی تھی۔
2. نیز رسول اکرم صلعم کا حکم تھا کہ احادیث مت لکھو۔
3. مزید براں انھیں اس حقیقت پر بھی محکم ایمان تھا کہ قرآن ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ اس لئے انھوں نے احادیث کو در خور اعتنا نہ سمجھا۔

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق نے پانچ سو احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت صدیق کے مجموعے سے زیادہ قابل اعتماد اور کون سا مجموعہ ہو سکتا تھا۔ لیکن ایک صبح اٹھ کر اسے جلا دیا۔

حضرت فاروق ؓ کے متعلق مذکور ہے کہ آپ نے رسول اکرم صلعم کی احادیث اور آپ کا اسوہ لکھوانے کا ارادہ کیا۔ مہینے بھر استخارہ کرتے رہے اور پھر فرمایا۔

کانو اقبلکم قوما کتبو کتباً فاکتبوا علیھا و ترکوا کتاب اللہ و انی واللہ لا اشوب کتاب اللہ بشیء ابداً

تم سے پہلے ایسی قومیں گزر چکی ہیں جنھوں نے کتابیں لکھیں اور خدائی کتاب کو چھوڑ کر انھی پہ جھک پڑیں ، خدا کی قسم! میں قرآن میں ایسی آمیزش ہرگز نہیں ہونے دوں گا

نامناسب نہ ہو گا ، اگر اس سلسلے میں چند اور تاریخی واقعات بھی بیان کر دئیے جائیں۔

نمبر1۔

جب حضرت صدیقؓ مسند خلافت پر جلوہ آرا ہوئے تو آپ نے ایک دن ایک مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"تم لوگ آج حدیث میں اختلاف رکھتے ہو(ہم یہی عرض کر رہے تھے کہ اقوال رسول میں رد و بدل ہو چکا تھا اور وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ انھیں قلمبند کیا جاتا) آئندہ یہ اختلاف بڑھتا چلا جائے گا اس لئے تم آنحضرت سے کوئی حدیث روایت نہ کرو۔ اگر کوئی پوچھے تو کہو کہ ہمارے پاس قرآن موجود ہے۔ جو اس نے جائز قرار دیا اسے جائز سمجھو" (تذکرۃ الحفاظ ذہبی ص 3)

نمبر2۔ ایک مرتبہ حضرت فاروقؓ نے تمام صحابہ سے فرمایا کہ گھر جاؤ اور احادیث کا تمام ذخیرہ اٹھا لاؤ۔ جب ذخیرہ جمع ہو گیا تو آپ نے تمام صحابہ کے سامنے اسے جلا دیا۔[3]

(طبقات ابن سعد جلد 5 ص 140)

ذرا سوچو کہ خلفائے راشدین کا زمانہ ہے۔ شمع نبوت پہ فدا ہونے والے ہزاروں پروانے موجود ہیں۔ اور حضور کے دو سب سے بڑے دوست اور فدائی آپؐ کے اقوال کا ذخیرہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر فنا کر رہے ہیں۔ آخر کیوں ؟ کیا انھیں ارشادات رسولؐ سے ضد تھی؟ یا اقوال رسول میں تحریف ہو چکی تھی ؟ ظاہر ہے کہ پہلی وجہ غلط ہے۔ اور دوسری صحیح۔ مقام حیرت ہے کہ جن احادیث کو مشتبہ یا ناقابل التفات سمجھ کر صدیق و فاروق رضی اللہ[4] عنہم فنا کر رہے تھے ، تاکہ اعمال و عقائد

---

[3] کتاب جامع بیان العلم از حافظ ابن عبدالبر طبع مصر 1320ھ ص 33۔

[4]

میں کوئی فتور پیدا نہ ہونے پائے ، انھی احادیث کو اڑھائی سو سال بعد امام بخاری و مسلم وغیرہ نے جمع کیا اور ہم سب نے مل کر نعرہ لگایا۔

ھذا اصح الکتب بعد کتاب اللہ

(قرآن کے بعد صحیح بخاری صحیح ترین کتاب ہے)

آخر کس طرح؟ چند ایک احادیث جو بعض صحابہ کے پاس تھیں ان میں سے بیشتر جلا دی گئیں۔ جو زبانوں پہ جاری تھیں ان میں ہر لمحہ رد و بدل ہو رہا تھا۔ بات ایک دن میں کیا سے کیا ہو جاتی ہے ۔ اور ان اقوال پر تو اڑھائی سو برس گذر چکے تھے۔ وہ صحابہ جن کی دیانت اور سچائی پر بھروسا کیا جا سکتا تھا ، فوت ہو چکے تھے اور بعد میں آ گئے تھے ہم جیسے لوگ۔ امام حسین کے قاتل، حضرت علیؓ کے باغی، کعبے کو ڈھانے والے حاکم شرابی، امراء راشی، غنی عیاش، فقیر پست کردار، کیا ایسے ماحول(اُمیہ کا دور) میں کسی حدیث کا اپنی اصلی حالت پہ رہنا ممکن تھا؟ بعض صحابہ سے بھی اخلاقی لغزشیں سرزرد ہوتی رہتی تھیں۔ بخاری میں مذکور ہے کہ ایک صحابی روزے کی حالت میں جماع کر بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ابن نعمان کو شراب نوشی پر سزا دی تھی۔ حضور ؐ نے ایک صحابی پر زنا کی حد جاری کی تھی۔ رحلت رسولؐ کے بعد بعض مرتد ہو گئے تھے۔ اور بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی جنگ میں دونوں طرف صحابہ کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں راستی پر نہیں ہو سکتے تھے۔ ان حالات میں بالکل ممکن ہے کہ کسی صحابی نے عمداً کسی حدیث کے الفاظ بدل دئیے ہوں۔ اور سہو و نسیان کا خطرہ تو ہر وقت تعاقب میں رہتا تھا۔ دو سو پچاس برس تک یہ حدیثیں کروڑوں زبانوں پہ جاری رہیں۔ ہر نیک و بد کے پاس پہنچیں۔ الفاظ بدلے

۔ مفہوم بدلا۔ اضافے ہوئے۔ لاکھوں نئی احادیث وضع کی گئیں۔ جن میں حلال کو حرام اور اور حرام کو حلال بنایا گیا۔ جہاد پہ ضرب کاری لگائی گئی۔ رہبانیت کو اچھالا گیا۔ اور ایک ایک ورد پر ہزار ہزار جنتیں تقسیم کی گئیں۔ ان مشتبہ گوش بریدہ اور خود تراشیدہ احادیث کا سیلاب عظیم ۔ جب حضرت امام بخاری کے دور میں داخل ہوا تو آپ نے چھ لاکھ احادیث میں سے جو آپ کو یاد تھیں ، صرف 7275 انتخاب کیں اور باقی تمام کو ناقابل اعتماد قرار دے دیا۔

آپ نے انتخاب کا معیار راویوں کی صداقت کو قرار دیا۔ امام بخاری اور رسول اللہ کے درمیان اڑھائی سو سال کا طویل زمانہ حائل تھا۔ چھ لاکھ احادیث، ہر حدیث کے کم از کم پانچ چھ راوی۔ یعنی تیس پینتیس لاکھ راوی، جن میں سے بیس پچیس لاکھ لازماً مر چکے ہوں گے۔ نہ ان کے حالات محفوظ ، نہ انھیں کوئی جاننے والا موجود۔

امام بخاری کو کیسے پتہ چل گیا تھا کہ اس کے تمام راوی سچے تھے۔ اور کہ انھوں نے زندگی بھر میں کوئی گناہ نہ کیا تھا اور نہ کبھی جھوٹ بولا تھا۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کے معاصر یحییٰ بن معین نے راویوں کے حالات قلمبند کئے تھے۔ لیکن ان کے متعلق بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ انھیں یہ حالات کس نے بتائے تھے۔ اور دو سو سال پہلے کے راویوں کے متعلق انھوں نے معلومات کہاں سے حاصل کیں تھیں ؟

اگر آج ہمیں کہا جائے کہ محلے کے تمام ان لوگوں کے حالات قلمبند کرو جو گذشتہ دو سال میں مر چکے ہیں، تو ہم کبھی نہ کر سکیں گے۔ ممکن ہے مجملاً ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں صاحب پابند صوم و صلوۃ

تھے لیکن اس کے کردار کی صحیح تصویر کھینچنا ہمارے لئے نا ممکن ہو گا۔

علاوہ ازیں ہمارے سوانح نگاروں میں ایک خاص نقص بھی تھا ، کہ وہ کسی کے کردار پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کے عادی نہیں تھے۔ ہمیشہ حسن ظن سے کام لیتے تھے۔ اور مبالغہ آمیز مدح سرائی پر اتر آتے تھے۔ اس وقت ذہبی کا تذکرۃ الحفاظ میرے سامنے پڑا ہے۔ جس میں ہزار ہا بڑے بڑے راویان و حفاظ حدیث کے حالات مرقوم ہیں۔ میں ایک دور کے چند راوی لے کر ذہبی کی زبانی ان کی کہانی سناتا ہوں۔ جس سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ ہمارے بزرگوں کا اندازہ کردار نویسی میں کیا تھا؟

مثلاً

1۔ علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کے متعلق لکھتے ہیں

كان يصلى فى اليوم و الليۃ الف ركعۃ

آپ رات دن میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ (تذکرۃ ص 46)

اگر سونے کھانے ضروری حاجات اور وضو کے لئے کم از کم آٹھ گھنٹے الگ کر لئے جائیں تو باقی سولہ گھنٹے بچتے ہیں۔ اگر ہر رکعت پر اوسطاً دو منٹ صرف ہوں تو یہ تینتیس گھنٹے اور بیس منٹ بنتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ سولہ گھنٹوں میں تینتیس گھنٹوں کا کام سر انجام نہیں دیا جا سکتا۔

2۔ مطرف بن عبداللہ (وفات 95ھ) کے متعلق لکھا ہے

كان راساً فى العلم و العمل

کہ آپ علم و عمل میں سردار تھے (تذکرۃ ص 55)

3۔ محمد بن سرین (وفات 110ھ) کے متعلق کہا

عزیز العلم۔ ثقۃ ... راس فی الورع

کہ آپ علم میں بے مثال ۔ قابل اعتماد۔۔ اور تقویٰ میں سردار تھے (تذکرۃ ص 67)

4۔ طاؤس بن کیسان (وفات 106ھ) کے متعلق فرمایا

کان راساً فی العلم االواع

کہ علم و تقویٰ میں سردار تھا (تذکرۃ ص 78)

5۔ ابو صالح ذکوان (وفات 110ھ) کے متعلق ارشاد ہوا

من اجل الناس و او ثقھم

سب سے بڑا اور سب سے زیادہ قابل اعتماد (تذکرہ 78)

6۔ شعبی کے متعلق کہا

مارایت اعلم و افقہ من شعیی

شعبی سے بڑا عالم اور بڑا عقلمند یا فقیہہ میں نے نہیں دیکھا (تذکرہ ص 70)

7۔ عکرمہ (وفات 107ھ) کے متعلق لکھا

ما بقی احد اعلم بکتاب اللہ من عکرمہ

کہ عکرمہ سے بڑا کتاب اللہ کا کوئی عالم موجود نہیں (تذکرہ ص 84)

8۔ القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (وفات 106ھ) کے متعلق فرمایا

ماارایت فقیھا اعلم من القاسم

کہ میں نے قاسم سے بڑا فقیہہ نہیں دیکھا(تذکرۃ ص 84)

9۔ عطا بن ابی ریاح (وفات 114ھ) کے متعلق لکھا

ماارایت افضل من عطاء

کہ میں نے عطاء سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا (تذکرۃ ص 84)

دیکھا آپ نے سوانح نویسی کا انداز۔ یہ سب محدثین ہمعصر تھے۔ ذہبی ہر ایک بے مثال ، سب سے بڑا عالم، سرادر قرار دے گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ہی زمانہ میں اور قریباً ایک ہی ملک کے سب لوگ بے نظیر و بے مثال نہیں ہوسکتے ۔ تو جن راویوں کے حالات ان مبالغہ پسند سوانح نگاروں نے اس فیاضی سے قلمبند کئے ہوں ، ان پر اعتماد کر کے کسی قول کو بالکل صحیح سمجھ لینا درست نہیں۔

10۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے موطا (امام مالک) کی ایک شرح لکھی تھی جس کا نام "مُصَفیٰ" ہے۔ اس کے آخر میں کوئی اشفاق الرحمان صاحب ، حضرت مالک کے حالات یوں قلمبند کرتے ہیں۔

" ---- امام مالک نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیث لکھی۔ نو سو اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ اور سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر درس دینا شروع کیا۔ جب موطا لکھ چکے تو اسے پانی میں پھینک کر کہنے لگے کہ اگر اس میں سچی احادیث ہیں تو یہ نہیں بھیگے گی۔ چنانچہ وہ نہ بھیگی۔ ایک دن حدیث پڑھا رہے تھے کہ بچھو کپڑوں میں

گھس گیا۔ اس نے سولہ مرتبہ امام صاحب کو کاٹا۔ لیکن امام صاحب نے درس ختم کر کے ہی اس کی طرف توجہ دی"

ملاحظہ فرمایا آپ نے اس سوانح نگار کو حقیقت نگاری سے کتنی چڑ ہے۔ ہر فقرہ اپنی تردید آپ کر رہا ہے۔ نو سو اساتذہ سے پڑھا بھی اور پھر سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل بھی ہو گئے۔ کوئی پوچھے کہ اس زمانے میں نو سو اساتذہ عرب میں جمع کہاں سے ہو گئے تھے ؟ اگر بالفرض ہو ہی گئے تھے ، تو یہ نہ بتایا کہ امام مالک ہر استاد کے پاس کتنا عرصہ رہے تھے۔ اگر ایک استاد کے پاس صرف ایک مہینہ بھی بسر کیا ہوتا تو بھی ان کا زمانہ تعلیم 75 برس بنتا ہے۔ حالانکہ وہ سترہ برس کی عمر میں تعلیم ختم کر چکے تھے۔ اس گپ کے علاوہ کتاب نہ بھیگنے اور بچھو کاٹنے کا گپوڑا بھی قابل داد ہے۔

تو یہ ہیں وہ سوانح نگار ، جن کی تحریرات کو ہم وحی سمجھ کر بعض راویوں کو سچا اور بعض کو جھوٹا قرار دیتے ہیں۔ اور پھر ان سچے راویوں کی احادیث ایک کتاب میں جمع کر کے اس کا نام رکھ دیتے ہیں "صحیح بخاری و صحیح مسلم" اور ساتھ ہی دنیا کو دھمکاتے ہیں کہ **یہ وحی (خفی) ہے** ۔ اگر تم ان کتابوں پر ایمان نہ لائے تو تمھارا نام جنتیوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت صدیقؓ اور فاروقؓ حدیثوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر فنا کر تے رہے۔ ان کے بعد کیا ہوا۔ اس سلسلے میں چند اور واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

نمبر 3 ۔ حضرت عبداللہؓ بن یسار فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت علیؓ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے حکم دیا کہ یہاں سے واپس جانے کے

بعد ہر شخص پہلا کام یہ کرے کہ جس کے پاس کوئی بھی تحریر ہو اسے مٹا ڈالے۔ کیوں کہ پہلی قومیں اپنے علماء کی احادیث پہ چلنے اور کتاب اللہ کو چھوڑنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکیں ہیں۔ (مختصر جامع بیان العلم ص 33)

نمبر4۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ ، ابی بن کعبؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو روایت حدیث کی بنا پر پیٹنے پر تل گئے تھے۔ اور اسی جرم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ، حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابوالداردأؓ جیسے عظیم المرتبت اصحاب کو قید کر دیا تھا ۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد 1ص 7)

ان اصحاب کو یہ سزا اس لئے نہیں ملی ہو گی کہ لوگوں کو صحیح احادیث سنایا کرتے تھے ۔ بلکہ اس لئے کہ وہ صحیح و غلط میں امتیاز نہیں کر سکتے ہوں گے۔

نمبر 5۔ آج حضرت عبداللہ ا بن مسعودؓ کی طرف سینکڑوں احادیث منسوب ہیں۔ لیکن ابو عمرو الشیبانی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود کی خدمت میں برسوں رہا۔ اور ان کے منہ سے کوئی حدیث نہ سنی۔ ہاں جب کبھی مجبوراً کوئی حدیث بیان کرنا پڑتی تو خوف سے کانپنے لگتے اور فرماتے ، رسول اللہ نے غالباً یوں فرمایا تھا یا یوں یا قریباً یوں ۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد 1 ص 14)

یہ حال تھا ان صحابہ کا، جن کے علم و فضل پر خود بارگاہ رسالت کو ناز تھا۔ اور جن کے فضائل و فواضل ساری امت کے لئے سرمایہ افتخار تھے۔ اندازہ لگا لیا آپ نے کہ یہ حضرات احادیث کے معاملے میں کس قدر محتاط واقع ہوئے تھے۔

نمبر 6۔ ابی اسحٰق مرۃ سے اور مرۃ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کہا کرتے تھے

"جب تمھیں حصول علم کی ضرورت پیش آئے تو قرآن پڑھو اس لئے کہ ا س میں اولین و آخرین کا علم موجود ہے" (تذکرۃ جلد 1 ص 12)

نمبر 7۔ ایک شخص نے ابی بن کعب سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے ، فرمایا

اتخذ کتاب اللہ و ارض بہ حکما

کتاب اللہ کو ہاتھ میں لو اور صرف اسی کے فیصلوں پر عمل کرو (تذکرۃ جلد 1 ص 15)

نمبر 8۔حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سینکڑوں احادیث کے راوی ہیں۔ لیکن علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ رحلت رسول کے وقت آپ کی عمر صرف 13 برس تھی۔ (تذکرۃ جلد 1 ص 34)

تیرہ برس تک کا بچہ کسی حد تک غیر ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسے کیا خبر کہ نبی دنیا میں کیوں آتا ہے؟ اس کے اقوال کو کیا اہمیت حاصل ہوتی ہے؟ اور اگر ان اقوال میں رد و بدل ہو جائے تو کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں؟ اس طرح کے غیر ذمہ دار بچے اور آنحضرت صلعم میں اسناد کی کوئ اور کڑی قائم نہ کرنا اور خود انہیں عاقل ، بالغ ، ثقہ سمجھ کر رسول اکرام صلعم سے بلاواسطہ روایت کے قابل قرار دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔

نمبر 9 ۔ ایک مرتبہ کاتب الوحی حضرت زید بن ثابتؓ معاویہ کے دربار میں گئے۔ امیر نے احادیث کی فرمائش کی۔ آپ نے چند احادیث سنائیں۔ اور منشی دربار ساتھ ساتھ لکھتا گیا۔ آپ نے وہ کاغذ لے کر پھاڑ ڈالا۔

اور فرمایا کہ رسول اللہ نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا۔ (بیان العلم ص 32)

نمبر 10 ۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری عمر فاروق کے مکان پر گئے۔ تین آوازیں دیں اور واپس چل دئیے۔ حضرت فاروق باہر نکلے ، واپس جانے کا سبب پوچھا ۔ تو کہا!

"رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ ہر گھر پر تین آوازیں دو۔ اگر صاحب خانہ نہ بولے تو واپس لوٹ جاؤ"

حضرت عمر نے کہا اس حدیث پہ فوراً شہادت پیش کرو ورنہ میں تمھیں سزا دوں گا۔ وہ گھبرائے ہوئے مسجد نبوی میں پہنچے اور خوش قسمتی سے انھیں شہادت مل گئی ، ورنہ شاید پٹ جاتے۔ (تذکرہ جلد1 ص6)

نمبر 11۔ اسود بن ہلال کوفی (وفات 84ھ) کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس ایک بیاض یا کتاب لے کر گیا جس میں کچھ احادیث درج تھیں۔ آپ نے پانی منگوا کر اس کتاب کو پہلے دھویا اور پھر جلا دیا۔ (جامع ص 33)

نمبر12 ۔ ضماک بن مزاحم (وفات 105ھ) فرمایا کرتے تھے

"وہ زمانہ جلد آ رہا ہے جب احادیث کی کثرت ہو جائے گی ، لوگ کتاب الٰہی کو ترک کر دیں گے۔ مکڑیاں اس پر جالے تانیں گی۔ اور وہ گرد و غبار کے نیچے یوں دب جائے گی کہ نظر تک نہ آئے گی" (جامع ص33)

نمبر13 ۔ عبدالرحمن بن الاسود بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ، علقمہ کے ہمراہ حضرت ابن مسعود کے ہاں گئے۔ اور ان کی خدمت میں ایک

مجموعہ احادیث پیش کیا۔ آپ نے خادمہ کو آواز دی کہ ایک طشت میں پانی لاؤ۔ جب آ گیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اس مجموعے کو دھو ڈالا اور فرمایا

ان ھذہ القلوب اوعیۃ فا شتغلو ھا بالقرآن ولا تشتغلوھا بغیرہ

تمھارے دل برتنوں کی طرح ہیں ۔ ان میں قرآن کے سوا کوئی چیز مت ڈالو (جامع ص 33)

کچھ ہفتے ہوئے آئر لینڈ کے شہر ہ آفاق شاعر برنارڈ شا نے اپنے یوم ولادت پر اپنی دو تین تصانیف پر دستخط کر کے انھیں نیلام کیا۔ اور آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ وہ دو تین چھوٹی کتابیں دو لاکھ چوبیس ہزار روپے میں فروخت ہوئیں۔برنارڈشا کی تحریرات کی تو یہ قدر ہو اور رسول کے اقوال کو ان کے فدائی جہاں پائیں دھو ڈالیں اور یا مٹا دیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ کیا ان لوگوں کو رسولؐ سے محبت نہیں تھی ؟ اس کا جواب یہی ہے کہ محبت تو تھی لیکن وہ اقوال ، اقوال رسول نہ تھے۔

<u>نمبر14</u> ۔ جریر بن عبدالحمید کہتے ہیں کہ منصور ،مغیرہ اور الاعمش جیسے محدثین ، کتابت احادیث کو گناہ سمجھتے تھے ۔ (جامع ص 34)

<u>نمبر 15</u> ۔ قرظہ بن کعب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم عراق کو روانہ ہوئے ، حضرت فاروقؓ مقام حرار تک ساتھ آئے۔ وہاں نماز ادا کی۔ اور پھر فرمایا دیکھو میں ایک نہایت اہم بات کہنے کے لئے تمھارے ہمراہ یہاں تک آ یا ہوں۔ اور وہ یہ کہ عراق کی سرزمین سے تلاوت قرآن کی سریلی آواز یوں اٹھ رہی ہے جس طرح چھتے کے ارد گرد شہد کی

مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ خدا کے لئے انھیں احادیث میں پھنسا کر قرآن سے دور نہ پھینکنا۔ (تذکرۃ الحفاظ ص 6 ۔ جامع بیان ص 174)

نمبر 16 ۔ رحلت حضور سے صرف تین برس پہلے حضرت ابو ہریرہؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ لیکن روایت احادیث میں سب سے بازی لے گئے۔ اور اسی سلسلے میں ایک مرتبہ پٹے بھی۔ واقعہ یوں ہے کہ آپ رسول اکرم صلعم کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضور نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ جا اور ہر اس شخص کو جنت کی بشارت لے دے ، جس نے زبان سے لآ الٰہ کہہ دیا ہو۔ ابو ہریرہ باہر نکلے تو سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب سے ملاقات ہوئی اور یہ بشارت سنائی۔ حضرت عمرؓ نے ابو ہریرہ کی چھاتی پر گھونسا کھینچ مارا۔ جس سے وہ زمین پر گر پڑے۔ اور رونی صورت بنائے واپس دربار رسالت میں پہنچے۔ پیچھے پیچھے عمر بھی پہنچ گئے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ اسے کیوں پیٹا ؟ کہا کیا آپ نے صرف لآ الٰہ کہنے پہ جنت کی بشارت دی ہے ۔

فرمایا ہاں ۔ عمر نے کہا ۔ از راہ نوازش ایسا نہ کیجئے ،ورنہ لوگ اعمال کو ترک کر دیں گے۔ فخلھم یعلمون (آپ لوگوں کو کام کرنے دیں) ۔ حضور نے فرمایا ، بہت اچھا۔ لوگوں کو کہہ دو کہ کام کریں (ملخص)

(صحیح مسلم ۔ کتاب الایمان۔ طبع مجتبائی ص 405 مع فتح الملہم)

ملاحظہ کیا آپ نے کتنی دلچسپ حدیث ہے۔ صرف دو لفظ (لآ الٰہ) منہ سے نکالو، اور جنت لے لو۔ نہ صوم نہ صلوۃ کی ضرورت ، نہ میدان جہاد میں لہو بہانے کی حاجت، نہ صدقہ و زکوٰۃ کے جھمیلے اور نہ جہاد اکبر و اصغر کے جھگڑے۔ **دوسری دلچسپی یہ کہ حضرت فاروق بارگاہ رسالت کو حکم دیتے ہیں ولا تفعل فخلھم یعلمون آپ لوگوں کو**

ایسی احادیث نہ سنایا کیجئے۔ مطلب یہ کہ ایسی احادیث سنا کر انھیں خراب نہ کیجئے۔ اور لوگوں کو کام کرنے دیجئے۔ یعنی مذہب کے معاملے میں حضرت فاروق سرور کائنات کی رہنمائی فرما رہے ہیں۔ اور لطف یہ کہ حضور اس حکم سے سرتابی کی جرات نہیں کر سکتے اور فرماتے ہیں فخلهم (بہت اچھا لوگوں کو کام کرنے دو)۔ بدیگر الفاظ رسول اکرم صلعم نے اعتراف فرما لیا کہ ان کی حدیث (من قال لا الہ) سے لوگ بے عمل ہو سکتے ہیں۔

غور فرمائیے کہ اس حدیث نے حضور پر نور کی منزلت کو کتنا کم کر دیا۔ کہ ان کا ایک طفل مکتب انھیں سیدھا راستہ دکھا رہا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابو ہریرہ اس قسم کی احادیث تراشا کرتے تھے۔ بلکہ یہ ہے کہ یار لوگ گھڑ کر ان کا نام جڑ دیتے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود ابو ہریرہ بھی روایت میں قدرے غیر محتاط ہوں۔

علامہ ذہبی نے ان کا یہ فقرہ نقل کیا ہے۔

قال ابو هريرة لمقد حدثنكم باحاديث لوحدثت بها فی زمن عمر بن الخطاب لضر بنی بالدرة

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسی ایسی احادیث بیان کی ہیں کہ اگر عمر بن الخطاب کے زمانے میں روایت کرتا تو وہ مجھے دُرے سے پیٹ ڈالتے۔ (تذکرۃ الحفاظ ص 8)

کیوں پیٹ ڈالتے؟ سرور کائنات کا اسوہ بیان کرنے پر؟ کیا کوئی مسلمان ایسا کر سکتا ہے؟ نہیں ۔ بلکہ مشتبہ احادیث کی روایت پر۔ حضرت عمر اسی لئے تو احادیث جلا دیا کرتے تھے۔ اور بڑے بڑے صحابہ کو اس جرم میں قید و بند کی سزا دیتے تھے۔ جس عمر نے ابوہریرہ کو حضور

پر نور کی کی زندگی میں پیٹ ڈالا تھا ، اور جس نے رسول اکرم صلعم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کہہ دیا تھا حسبنا کتاب اللہ وہ اپنےعہد خلافت میں ابوہریرہ یا کسی اور بزرگ کو روایت احادیث کی اجازت یسے دے سکتے تھے؟

ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ حدیث وحی غیر متلو ہے۔ اس پر ایمان لائیے۔ میں اس قسم کے علماء سے صرف ایک سوال پوچھتا ہوں کہ آپ بڑے مسلمان ہیں یا حضرت عمرؓ؟ اللہ و رسول کی منشا سے وہ زیادہ باخبر تھے یا آپ ؟

حاشا وکلا کہ مجھے حدیث سے بغض نہیں۔ بلکہ انسانی اقوال سے ضد ہے۔ جنھیں یہودیوں ، زندیقوں اور ہمارے فرقہ باز رہنماؤں نے تراش کر مہبط الوحی صلعم کی طرف اس لئے منسوب کر دیا تھا کہ خدا ، رسول اور قرآن کا کوئی وقار دنیا میں باقی نہ رہے۔

ہمارے موجودہ علماء میں ایک دو بڑی بڑی خوبیاں موجود ہیں

1. اول: کہ ان کا دامن وضع احادیث کے داغ سے ملوث نہیں۔
2. دوم: انھیں سرورکائناتؐ سے گہری محبت ہے۔ اور دو خرابیاں بھی ہیں
3. اول: کہ ملکہ تنقید سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے وہ صحیح و غلط میں تمیز نہیں کر سکتے۔
4. دوم: وہ اسلاف پرستی اور اندھی تقلید کے امراض میں مبتلا ہیں۔

چونکہ ہمارے بعض اسلاف کہہ بیٹھے ہیں کہ صحیح بخاری کی ہر حدیث صحیح ہے اس لئے ہمارے علماء بخاری کی کسی حدیث کو ناقدانہ نظر سے دیکھنا یا معیار روایت پہ پرکھنا کفر سے کم نہیں سمجھتے۔ شیخ عبد

الحق دہلوی کی رائے تھی کہ صحاح میں انسانی اقوال کی آمیزش ہے۔ علامہ ابن حجر کا خیال تھا کہ صحیح بخاری کی چالیس احادیث مشتبہ ہیں (ملاحظہ ہو حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا رسالہ الفرقان شاہ ولی اللہ ص 268 ، 276)

اور شیخ حمید الدین فراہی فرماتے ہیں

"میں نے صحاح میں بعض ایسی احادیث دیکھیں ، جو قرآن کا صفایا کر دیتی ہیں۔ ہم اس عقیدہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ کلام رسول ، کلام خدا کو منسوخ کر سکتا ہے" (نظام القرآن)

نمبر 17 - شعیب بن حرب (وفات 197ھ) بیان کرتے ہیں کہ ایک دن سفیان ثوریؒ کے ہاں حدیث کا ذکر چل پڑا تو آپ نے کہا

لوکان فی ھذا الحدیث خیر لنقص کما ینقص الخیر و لکنہ شر فاراہ یزید کما یزید الشر

اگر حدیث کوئی اچھی چیز ہوتی تو باقی نیکیوں کی طرح یہ بھی گھٹتی جاتی لیکن یہ بڑھ رہی ہے۔ اس لئے یہ ایک بدی ہے۔ (جامع ص 178)

نمبر 18 - جب سفیان بن عینیہ سے حدیث کی فرمائش کی گئی تو آپ نے فرمایا

ما ادری الذی تطبونہ من الخیر ، ولو کان خیراً لنقص کما ینقص الخیر

تم جس چیز کی تلاش میں ہو وہ کوئی نیکی نہیں ہے۔ اگر نیکی ہوتی تو باقی نیکیوں کی طرح کم ہوتی جاتی - (جامع 178)

نمبر 19 ۔ بکر بن حماد (دوسری صدی کا ایک شاعر) مضمون بالا کو یوں ادا کرتے ہیں

اری الخیر فی الدنیا یقل کثیرۃ وینقص نعتما و الحدیث یزید

و لوکان خیر اقل کالخیر کلہ فاحسب ان الخیر منہ بعید

میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا میں نیکی کم ہو رہی ہے لیکن حدیث بڑھ رہی ہے۔ اگر حدیث اچھی چیز ہوتی تو باقی نیکیوں کی طرح یہ بھی گھٹتی جاتی۔ پس میں یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں کہ حدیث کا نیکی سے کوئی تعلق نہیں۔

(توجیہ لنظر شیخ طاہربن صالح ص 11-18)

نمبر 20 ۔ بشران حارث کہتے ہیں کہ میں نے ابو خالد الاحمر الکوفی (وفات 196ھ) کو یہ فرماتے سنا

باقی علی الناس زمان تعطل لیما المصاحف لایفر فیہا و یطلبون الحدیث

ایک ایسا زمانہ بھی آ رہا ہے کہ لوگ قرآن شریف کو ایک طرف رکھ دیں گے اور احادیث کی تلاش میں نکل پڑیں گے۔ (جامع ص 180)

اور وہ زمانہ دوسری صدی سے شروع ہوتا ہے۔ اور اب یہ عالم ہے کہ ساری امت قرآن سے بیگانہ ہو چکی ہے۔ قوائے عمل پر اوس پڑ چکی ہے۔ ہر فرد حدیث کی ارزاں جنت کی تلاش میں ہے۔

سارا زور اوراد اور وظائف پر پہ صرف ہو رہا ہے۔ صرف وضو کرنے پہ گناہوں کی مغفرت ہو رہی ہے۔ چند الفاظ کے ورد پر زمرد اور موتیوں کے محل تیار ہو رہے ہیں۔ نماز میں ربنا لک الحمد کہنے پر زندگی کی تمام سیاہ کاریاں دھوئی جا رہی ہیں۔ اور حلوے کا ایک لقمہ

کھلانے سے قبر کا عذاب ٹل رہا ہے۔ کہیے ، کہ اس قدر سستی جنت کو چھوڑ کر قرآن کے شمشیر و سناں ، صبر و ابتلا، خوف و جوع، ایثار و شہادت والے اسلام کے قریب کون جائے ؟ کون عمر بھر کی کمائی قوم کے حوالے کر دے۔دسمبر کی ٹھنڈی راتوں میں برفانی پہاڑوں پہ کون پہرہ دے۔ طیاروں کی بمباری کون سہے۔ ٹینکوں کے آگے میلوں کون بھاگے۔ اور گولیوں سے سینہ چھلنی کرا کے بہشت کون لے؟ کیوں نہ مسجد میں گھس کر کچھ وقت کے لئے اللہ اللہ کرے اور مرنے کے بعد سیدھا جنت میں چلا جائے۔

من قال سبحان اللہ و بحمدہ فی یوم مائتا مرۃ حطعت منہ خطا یاہ وان کانت مثل زیدۃ البحر

جو شخص دن میں سو مرتبہ "سبحان اللہ وبحمد" کا ورد کرے گا۔ اس کی تمام سیاہ کاریاں معاف ہو جائیں گی۔ خواہ وہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں ۔ (موطا امام مالک ۔ مطبع مجتبائی طبع 1345ھ ص 73)

موطا کے اسی صفحے پر ایک اور حدیث دی ہوئی ہے۔ جو موطا میں موقوف (حضورؐ تک نہیں پہنچتی بلکہ کسی صحابی کی رائے ہے) اور ترمذی و ابن ماجہ میں باقاعدہ حضور سے مروی ہے

عن ابی الدردا قال الا اخبرکم بخیر اعمالکم وارفعھا فی درجاتکم و خیر لکم من اعطاء الذھب و الورق و خیر لکم من ان تلقو عدوکم فتضربوا عناقکم و یفربوا اعناقھم۔ قالو بلیٰ۔ قال ذکر اللہ تعالیٰ۔

ابی االدردا (صحابی) کہتے ہیں کہ آؤ میں تمھیں بتاؤں کہ سب سے بہتر عمل جس سے تمھارے مدارج بہت بلند ہو جائیں ، کون سا ہے۔ ایسا عمل جو سونے اور چاندی کی قربانی اور جہاد سے بھی بہتر ہو، وہ جہاد جس

میں تم دشمن کا سر کاٹتے ہو اور وہ تمھارا، لوگوں نے کہا فرمائیے! کہا! اللہ کا ذکر۔

ہر صاحب علم جانتا ہے کہ حدیث کی دنیا میں موطا کا درجہ کتنا بلند ہے۔ اس بلند کتاب میں اس حدیث کو پڑھنے کے بعد کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ اپنے ملک و ملت کی حفاظت یا اپنی مستورات کی عزت و عصمت بچانے کے لئے سر دیتا پھرے۔ وہ غلام رہے یا آزاد اس کی بلا سے۔ ساری دنیا جنت کے لئے مرتی ہے۔ اور یہ نعمت اس کو زبانی خدا کی یاد سے مل سکتی ہے۔ پھر خوامخواہ دکھ کیوں اٹھائے اور اپنی لاش کو خاک و خون میں کیوں تڑپائے۔

<u>نمبر 21۔</u> وکیع فرماتے ہیں کہ امام داؤد طائی سے کسی نے پوچھا کہ آپ احادیث کی روایت کیوں نہیں کرتے ۔ فرمایا

"میں بچوں کا کھلونا نہیں بننا چاہتا" (جامع ص 180)

<u>نمبر22</u> ۔ ایک مرتبہ چند طلبا ئے حدیث حضرت فضیل بن عیاض کے ہاں درس حدیث لینے کے لئے آئے۔ آپ نے انھیں ان الفاظ میں ڈانٹ پلائی۔

انکم قد ضیعتم کتاب اللہ ولو طلبتم کتاب اللہ لوجد تم فیہ شفاء ثم قر یا ایھاالناس قد جاء تکم مر عظۃ من ربکم و شفاء لما فی الصدور و ھدی و رحمتہ للمومنین۔ قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیف حوا ھر خیر مما یجمعون

تم لوگوں نے اللہ کی کتاب کو ضائع کر دیا ہے اگر تم کتاب الٰہی کی تلاش کرتے تو اس میں تمھیں شفاء مل جاتی۔ اور اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ اے لوگو! تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ضابطہ حیات آ چکا ہے جس

میں دل و دماغ کی تمام بیماریوں کا علاج درج ہے۔ اور اہل ایمان کے لئے ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی۔ اے رسول ان مسلمانوں سے کہہ دو وہ اللہ کی اس رحمت اور نعمت (قرآن) پر خوش ہوں اور یہ قرآن اس چیز (اس سے مراد حدیث بھی ہو سکتی ہے) سے اچھا ہے جسے وہ جمع کر رہے ہیں۔ (جامع ص 181)

تو جو کتاب شفاء بھی ہے، موعظت و رحمت بھی، اللہ کا فضل بھی ہے اور نعمت بھی۔ کیا وہ ہدایت کے لئے کافی نہیں؟

نمبر 23 ۔ اسی طرح ایک دفعہ چند طلباء نے حضرت فضیل بن عیاض کو درس حدیث کے لئے مجبور کیا۔ تو آپ نے فرمایا

لم تکر ھونی علی امر تعلمون انی کارہ لہ

تم مجھے ایسی بات پہ کیوں مجبور کر رہے ہو جس سے مجھے نفرت ہے (جامع ص 181)

نمبر 24۔ سفیان ثوری کا قول ہے

انا فی الحدیث منذ ستین سنۃ وددت ان خرجت منہ کفافاً لا علی ولالی

میں گزشتہ ساٹھ برس سے حدیث کی دلدل میں پھنسا ہوا ہوں اور اب اس سے اس حالت میں نکلنا چاہتا ہوں کہ اس کے فائدے اور نقصان ہر دو سے محفوظ رہوں۔ (جامع ص 181)

نمبر 25۔ اس زمانے میں علمائے اسلام احادیث کی کثرت اور رنگ برنگی سے اس قدر گھبرا اٹھے تھے کہ یموت بن المزرع کو یہ فقرہ کہنے کی جرات ہو گئی تھی

اذا رایت شیخاً یعدوا فاعلم ان اصحاب الحدیث خلفہ

جب تم کسی عالم کو سرپٹ بھاگتا دیکھو تو سمجھ لو کہ طلبہ حدیث اس کا پیچھا کر رہے ہیں ۔ (جامع ص 181)

نمبر 26 ۔ محمد بن سلام حضرت فاروقؓ کے اس قول کے راوی ہیں

ما رایت علماً اشرف و لا اھلا اخف من اھل الحدیث

میں نے حدیث سے بہتر کوئی علم اور اہل حدیث سے زیادہ ذلیل کوئی مخلوق نہیں دیکھی ۔ (جامع ص 181)

مطلب صاف ہے کہ اقوال رسول کی عظمت میں تو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا لیکن ان میں انسانی اقوال کی اس قدر آمیزش ہو گئی ہے کہ اس علم کے خزینہ دار بے قابو ہر کر رہ گئے ہیں۔

نمبر 27 ۔ سفیان بن عینیہ مسعر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے کہا

"خدا میرے دشمن کو محدث بنا دے"

ایک اور موقعہ پر فرمایا

"کاش علم حدیث میرے سر پر شیشوں کا ایک ٹکڑا ہوتا جو گر کر چُور چُور ہو جاتا"

نمبر 28۔ ایک دفعہ چند طلبہ حدیث سفیان بن عینیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں دیکھ کر فرمایا

انتم منخزذعینی

تم میری آنکھوں کی جلن ہو۔

اور ساتھ ہی کہا

"اگر آج عمر بن خطاب زندہ ہوتے اور ہم سب کو دیکھ پاتے ، تو ہمیں سزا دیتے" (جامع ص 182)

نمبر 29 ۔ ابن ابی عدی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام شعبہ نے فرمایا۔

"ایک زمانہ تھا کہ میں اصحاب حدیث سے مل کر خوش ہوتا تھا لیکن آج لیس شی ابغض الی من ان اری واحد امنھم میرے ہاں سب سے زیادہ قابل نفرت یہی لوگ ہیں" (جامع ص 182)

نمبر 30۔ یحییٰ بن سعید القطان البصری (وفات 198ھ) روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ چند طلبہ امام شعبہ کے پاس درس حدیث لینے کے لئے آئے۔ آپ نے چمک کر کہا۔

ان ھذا لحدیث لیصد کم عن ذکر اللہ فھل انتم منتھون

یہ حدیثیں تمھیں اللہ کے ذکر سے روکتی ہیں۔ کیا تم باز نہیں آؤ گے ؟ (جامع ص 182)

نمبر 31۔ سفیان بن الحسین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایاس بن معاویہ سے میری ملاقات ہوئی، تو انھوں نے کہا

اراک تطلب الاحادیث التفسیر ایاک و الشناعتہ

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم احادیث اور تفسیری اقوال کی تلاش میں پھر رہے ہو۔ خبردار ! اس کثافت سے بچو۔ (جامع ص 183)

نمبر 32 ۔ ایک مرتبہ امام الاعمش ؒ نے طلبہ حدیث سے کہا

"مجھے حدیث حنظل سے بھی زیادہ کڑوی معلوم ہو ، تم جس شخص کے قریب جاتے ہو، اسے جھوٹ بولنے (یعنی احادیث پڑھنے) کی ترغیب دیتے ہو۔ (جامع ص 183)

نمبر 33 ۔ ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں کہ ایک موقع پر مغیرۃ العنبی نے ارباب حدیث کے متعلق فرمایا

واللہ لانا اشد خوفاً منھم من الفساق

خدا کی قسم میں بدمعاشوں سے اتنا نہیں گھبراتا ، جتنا ان حدیث والوں سے (جامع ص 183)

نمبر 34 ۔ سعید القطان نے اپنے بیٹے کو کہا

لم تری الصالحین فی مثیی اکذب منھم فی الحدیث

کہ یہ صوفی و زاہد لوگ احادیث کے معاملے میں سب سے بڑے جھوٹے واقع ہوئے ہیں۔

(فتح الملہم شبیر احمد عثمانی طبع مجتبائی جلد 1 ص 132)

نمبر 35 ۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ تین قسم کی احادیث میں تحریف ہو چکی ہے۔ پیشین گوئیاں، جنگیں اور تفسیری احادیث۔ صرف باب التفسیر میں احادیث کی یہ کثرت ہے کہ ابن حنبل کے ایک دوست ابو زرعہ کو ایک لاکھ چالیس ہزار تفسیری احادیث یاد تھیں۔ (توجیہہ ص 11- 18)

دوسرا باب

تدوین حدیث

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں صحابہ کبار جمع احادیث کے خلاف تھے۔ صحابہ کرام میں سے چند بزرگ یعنی انس بن مالک، ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمرو ایسے نظر آتے ہیں جن کے پاس کچھ احادیث محفوظ تھیں۔ سنن ابی داؤد میں یہ حدیث ملتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو نے رسول اکرم صلعم سے دریافت کیا کہ کیا میں آپ کے اقوال لکھ سکتا ہوں تو حضور نے فرمایا ! نعم ! انی لا اقول الاحقا بیشک لکھ لیا کرو۔ اس لئے کہ میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔

حیرت ہے کہ جس ہستی نے کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا (مسلم) اور جس کے جلیل القدر جانشین آپ کے ارشاد کی تعمیل میں نہ صرف اپنے مجموعے بلکہ ہر صحابی کے مجموعے ڈھونڈ ڈھونڈ کر فنا کر تے رہے اسی ہستی نے عبداللہ بن عمر کو کتابت کی اجازت کیسے دے دی تھی ؟ مزید حیرت اس امر پر ہے جب حضرت عمر اور حضرت علی نے احادیث جلانے یا مٹانے کا حکم دیا تھا تو حضرت ابن عمرو نے کیوں تعمیل نہ کی۔

کیا قرآن کی رو سے اولی الامر کی تعمیل فرض نہیں ؟ یا تو ہم تسلیم کریں، کہ صحیح مسلم کی حدیث غلط ہے اور یا ابن عمر کو رسول

خدااور خلفائے کرام کی حکم عدولی کا ملزم ٹھہرائیں۔ حضور کے خلفا کے عمل سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث صحیح ہے۔ اور اگر مسلم کی حدیث کو صحیح قرار دیں تو ابو داؤد والی حدیث وضعی ثابت ہو تی ہے۔

مسند ابن وہب میں حضرت ابو ہریرہ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ احادیث لکھ لیا کرتے تھے۔ لیکن صحیح بخاری میں خود ابو ہریرہ کی یہ روایت موجود ہے۔

ما من اصحاب النبی اکثر حدیثا منی الاعبداللہ بن عمرو فانہ کان یکتب و کنت لا اکتب

تمام صحابہ میں صرف عبداللہ بن عمرو کی روایات مجھ سے زیادہ تھیں اس لئے کہ وہ حدیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھا کرتا تھا۔چونکہ امام بخاری کی صحیح کو مسند کو مذکور سے زیادہ قابل اعتماد ہے اس لئے مسند کے بیان کو ہم صحیح قرار نہیں دے سکتے۔

حضرت انس کے متعلق ایک روایت ترمذی میں ملتی ہے۔ آپ سرور کائنات صلعم کے خادم خاص تھے۔ اور عمر میں بہت چھوٹے تھے۔ یعنی جب حضورؐ مدینہ تشریف لائے تھے تو حضرت انس کی عمر صرف ساڑھے نو برس تھی اور رحلت حضور کے وقت انیس بیس برس۔

اپنے اردگرد نظر ڈال کر دیکھئے اور اندازہ لگائیے کہ کیا کوئی لڑکا اٹھارہ انیس برس کی عمر تک کسی قسم کی کوئی ذمہ داری محسوس کر سکتا ہے؟ حضرت انس کا کام تھا حرم نبوی اور رفات نبوی کی خدمت۔ دن کا پیشتر حصہ ، خرید و فروخت، لین دین، جھاڑ پھونک میں گزر جاتا تھا۔ کچھ فرصت ملتی تو قرآن شریف یاد کیا کرتے تھے۔ وہ ارشادات

نبوی ضرور سنتے ہوں گے۔ لیکن لڑکپن کا زمانہ تھا ، انھیں کیا پڑی تھی کہ ہر ارشاد اور ہر واقعہ تمام جزئیات کے ساتھ یاد کرتے پھرتے۔ واقعہ سامنے آیا اور گزر گیا۔ کچھ یاد رہا کچھ بھول گیا۔ کوئی بات کان سے ٹکرائی سن لی۔ اور پھر کام میں لگ گئے۔ لیکن جب لوگ حضور کی رحلت کے بعد قرآن چھوڑ کر حدیث کے پیچھے پڑ گئے اور راویان حدیث کی منزلت بڑھ گئی۔ تو آپ نے بھی بھولے بسرے واقعات اور گوش گزشتہ ارشادات کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ممکن ہے کہ کوئ ارشاد بالفاظہ یاد رہا ہو۔ اور بعض دیگر کا خاکہ خود مکمل کر لیا ہو۔ بہرحال جو احادیث آپ سے مروی ہیں ان کی تعداد 1286 ہے۔جن میں سے 168 کی صحت پر ائمہ حدیث کا اتفاق ہے۔ اور باقی 1118 کو کو ناقابل توجہ سمجھا جاتا ہے۔ امام بخاری نے ان متفقہ احادیث میں سے صرف 83 نقل کیں ہیں۔ مسلم نے 71 اور باقی کو مشکوک سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہے۔ اتنی کانٹ چھانٹ کے بعد بھی آپ کی بعض احادیث بدستور محل نظر ہیں۔ مثلاً

"عتبان بن مالک کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضورؐ سے التماس کی کہ وہ میرے گھر آ کر نماز پڑھیں۔ آپؐ نے یہ التجا قبول فرما لی۔ آپ کے ہمراہ چند صحابہ بھی تشریف لائے۔ صحابہ نے منافقین کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ کہنے لگے کتنا اچھا ہو۔ اگر حضورؐ ، مالک جوذُخشم (منافق) کی ہلاکت کی دعا کریں۔ حضور نے فرمایا کیا وہ کلمہ نہیں پڑھتا؟ صحابہ نے کہا زبان سے تو پڑھتا ہے لیکن اس کا دل بے ایمان ہے۔ فرمایا ! جو شخص کلمہ پڑھتا ہے وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث عجیب معلوم ہوئی۔ چنانچہ میں نے اپنے بیٹے کو کہا کہ لکھ لے ۔ اور اس نے لکھ لی۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان)

اگر ابن دخشم واقعی منافق تھا اور اتنے صحابہ کی شہادت کو غلط سمجھنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اور خود حضورؐ نے بھی اس کی تردید نہیں فرمائی۔ تو پھر اس کی مغفرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ منافقین کے متعلق اللہ کا یہ صریح ارشاد موجود ہے

ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم

اے رسول اگر تو ان منافقین کے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کرے، پھر بھی ہم ان کی بدکاریوں کو معاف نہیں کریں گے۔

ایک اور آیت ملاحظہ ہو۔

اذا جآ ء ک امنا فقون قالوانشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنافقین لکذبون

اے رسول ! جب یہ منافق تیرے پاس آتے ہیں تو تیری رسالت کا اقرار کرتے ہیں (یعنی باقاعدہ کلمہ پڑھتے ہیں) لیکن اللہ شہادت دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

جھوٹے ان معنوں میں کہ ان کی زبان ان کے دل کی ترجمان نہیں ہوتی۔ تو جن لوگوں کے کذب و نفاق پہ خود اللہ شہادت دے رہا ہو۔ ان کی مغفرت کی امید معلوم۔

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو

"انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آپ کے پاس جبریل آیا۔ آپ کو پکڑا۔ زمین پر گرایا۔ سینہ چیر کر دل نکالا۔ پھر دل کو چیرا اور ایک ٹکڑے کے متعلق کہا کہ

یہ شیطان والا حصہ ہے۔ اس حصے کو سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا۔ پھر دوسرے ٹکڑے کے ساتھ جوڑ کر دوبارہ سینہ میں رکھ دیا۔ اور اس زخم کا نشان تا دمِ آخریں باقی رہا"۔

(صحیح مسلم مع فتح الملہم ص 323)

یہ حدیث کئی طرح سے مشکوک ہے۔

اول: جب بچپن میں حضور بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو حضرت انس کہاں تھے؟ آپ ایک ایسے واقعے کو بیان کر رہے ہیں جو آپ کی پیدائش سے قریباً چھتیس برس پہلے ہوا تھا۔ اگر آپ نے یہ واقعہ کسی سے سنا تھا ، تو اس کا نام بتانا ضروری تھا۔

دوم: دل کے دو حصے ہیں۔ دایاں حصہ خون کو پھیپھڑوں میں بھیجتا ہے جو وہاں سےصاف ہو کر دل کے بائیں حصے میں داخل ہوتا ہے اور پھر جسم میں چلا جاتا ہے۔ دل ایک پمپ ہے جس کا کام لہو کو پہلے پھیپھڑوں میں بھیجنا اور پھر جسم میں دھکیلنا ہے۔

یہ صرف گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جو ہاتھ پاؤں کی طرح لذت و الم کا احساس نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی خیر و شر کا محرک ہے۔ تمام افکار ، جذبات، خیالات اور تصورات کا مرکز دماغ ہے۔ خیر و شر کی تحریک یہیں پیدا ہوتی ہے۔ اور ارادے یہیں بندھتے ہیں۔ اگر جبریلؑ کا مقصد منبع شر کو مٹانا تھا تو دماغ کو چیرتا نہ کہ دل کو۔ اس میں کلام نہیں کہ ہمارے صوفیاء و شعرا دل ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جذبات کا مرکز دل ہے۔ لیکن غلط فہمی سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ دماغ کو مجازاً دل کہہ دیں۔ بہرحال آپ دماغ کو دماغ کہیں یا دل، حقیقت یہی ہے کہ خیر و شر کی تمام تحریکات دماغ

سے ابھرتی ہیں اور دماغ کا مسکن کھوپڑی ہے۔ نہ کہ سینہ۔ چونکہ اس حدیث کا واضع دل ہی کو سب کچھ سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے یہ حدیث گھڑتے وقت یہ قطعاً نہ سوچا کہ جب علم ترقی کر جائے گا تو اس وقت لوگ اس حدیث کو پڑھ کر خدا اور رسول اور جبریل کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ یہی کہ خاکم بدہن ہر سہ دل و دماغ کی ساخت اور ان کے اعمال سے نا آشنا تھے۔

سوم: گناہ کی دنیا حسین بھی ہے لذیذ بھی۔ انسان اسی صورت میں کامل بن سکتا ہے کہ وہ گناہ کی تمام ترغیبات کو جھٹک کر نیکی کی اجاڑ راہوں پر بڑھتا چلے۔ ایک حسین نوجوان کا تیر نگاہ سے بچ جانا اس کا کمال ہے۔ لیکن اگر کوئی پیر صد سالہ یہ کہے کہ میں عورتوں کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھنا نگاہ کی توہین سمجھتا ہوں تو لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے۔ اس لئے ہمیں اس رسول پر ناز ہے جو بشر ہوتے ہوئے بھی ہر ترغیب، ہر کشش، اور ہر گناہ سے دامن بچا کر نکل گیا تھا۔ نہ اس رسول پر کہ جس کا آپریشن کر کے خطا کاری کی استعداد ہی سے محروم کر دیا گیا تھا۔

چہارم:اگر اللہ کی منشا یہی تھی کہ ہر نبی معصوم ہو تو وہ ماں کے پیٹ میں ان کے دماغ کی ساخت ویسی بنا سکتا تھا کہ گناہ کا ارادہ ہی پیدا نہ ہو سکتا اور بعد میں جبریلؑ سے آپریشن (اور وہ بھی غلط مقام پر) کرانے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔

پنجم: یہ زمزم کے پانی سے مرکز گناہ دھونے کی بھی خوب کہی۔ اگر کوئی شخص بجلی کے تاروں کو پانی سے دھونا شروع کر دے اور کہے کہ میں ان تاروں سے بجلی ختم کر کے رہوں گا تو آپ اس کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ دل یا دماغ میں نیکی یا گناہ کا صرف ارادہ پیدا ہوتا

ہے۔ اگر ہم دماغ سے بھیجا نکال کر اسے پانی سے دھونا شروع کر دیں اور کہیں کہ آج ان ارادوں کا تمام مواد ختم کر کے ہی دم لیں گے تو لوگ کیا کہیں گے؟

تو یہ ہے حقیقت حضرت ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمروؓ اور انس بن مالکؓ کے مجموعہ ہائے حدیث کی۔ صحابہ کے بعد تابعین کا زمانہ آیا۔

تذکروں میں مذکور ہے کہ مغیرہ شعبی اعمش اور قاسم جیسے علمائے تابعین جمع احادیث کو ناجائز سمجھتے رہے۔ امام بن شہاب الزہری المدنی (وفات 114ھ) پہلا محدث ہے جس نے عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے کچھ احادیث جمع کیں۔ آپ کے بعد ابن جریح نے مکہ میں ، ابن اسحق اور مالک نے مدینہ میں۔ ربیع بن صبیح سعد بن عرویہ اور حماد بن سلمہ نے بصرہ میں سفیان ثوری نے کوفہ میں اوزاعی نے شام میں۔ میثم نے واسط میں۔ معمر نے یمن میں۔ جریر نے رے میں۔ اور ابن مبارک نے خراسان میں یہی کام شروع کیا۔ لیکن امام مالک کے بغیر باقی سب کے مجموعے ضائع ہو گئے۔ دوسری صدی کے آخر میں چند اور مجموعے مرتب ہوئے مثلاً مسند اسد بن موسی۔ مسند عبید اللہ بن موسی العسبی۔ مسند مسد بصری۔ اور مسند نعیم بن المحماد المخراعی۔ تیسری صدی کے آغاز میں امام احمد بن حنبل۔ امام بخاری ۔ مسلم اور ابو داؤد وغیرہ تدوین احادیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابن حنبل نے چالیس ہزار احادیث جمع کیں۔ ان کے راویوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وہ ان احادیث کو روایت و درایت کے معیار پر پرکھنے کے لئے وقت نہ نکال سکے۔ امام بخاری پہلے محقق ہیں جنھوں نے چھ لاکھ احادیث(امام بخاری تک صرف چھ لاکھ پہنچی تھیں ورنہ یحییٰ بن معین کو 14 لاکھ احادیث کا علم تھا) میں سے صحیح احادیث کا انتخاب کرنے کے لئے انتہائی

کوشش کی۔ بعض اوقات ایک ایک حدیث کے لئے کئی کئی استخارے کئے۔ یعنی جو کچھ انسانی طاقت میں تھا انھوں نے کیا۔ لیکن جن احادیث کو مشتبہ سمجھ کر فاروقؓ و صدیقؓ جلا رہے تھے ، اڑھائی سو برس بعد کیسے صحیح بن سکتی تھیں۔ پھر اس عرصے میں ہزاروں جعلساز پیدا ہو سکے تھے۔ جن کا پیشہ ہی حدیث تراشی تھا۔ علامہ محمد طاہر گجراتی نے اپنی مشہور تصنیف "قانون الاخبار الموضوعۃ و الرجال الضفعار" میں تقریباً دو ہزار ایسے اشخاص کے نام دئیے ہیں جو زندگی بھر جھوٹی حدیثیں گھڑتے رہے۔ کسی نے ہزار تراشیں اور کسی دس ہزار۔ موضوعات کبیر میں ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ابن عکاشہ اور محمد بن تمہیم نے دس ہزار احادیث وضع کیں تھیں۔ جب ابن ابی العواجا زندیق گرفتار ہوا تو اس نے اقرار کیا کہ میں چار ہزار احادیث گھڑ چکا ہوں۔ جب خلیفہ وقت نے دریافت کیا کہ وضع حدیث سے تمھارا کیا مقصد تھا ، تو کہا کچھ نہیں۔ صرف قرآن کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بناتا رہا۔ بالکل درست کہا تھا۔ ابن ابی العواجا نے عام حدیث کو تو جانے دیجئے صحاح ستہ میں بعض ایسی احادیث راہ پا چکی ہیں جو نہ صرف قرآن سے متصادم ہیں بلکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند علم ، عظیم المرتبت شخصیت اور بے مثال کردار کے سخت منافی ہیں۔ تفصیل آگے آئے گی۔ اسی بنا پر مولانا عبید اللہ سندھی نے فرمایا تھا۔

"میں ایک یورپین نو مسلم کو کتاب بخاری کیوں نہیں پڑھا سکتا ؟ اس کی وجہ میں مجلس عام میں نہیں بتا سکتا"

(الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر 285)

یہ نہ سمجھئے کہ حدیث تراشی کا کام صرف یہود ، منافق اور زنادقہ ہی کیا کرتے تھے۔ بلکہ بڑے بڑے قضاۃ بھی اس "کارِ خیر" میں شامل تھے۔

مثلاً ابن ابی یحییٰ مدینہ میں۔الواقدی بغداد میں۔ اورمقاتل بن سلیمان خراسان میں بیٹھ کر حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔ علامہ ابن جوزی نے وضاعین کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ جس میں قاضی وہب بن وہب۔ محمد بن سعید الشامی ۔ ابو داؤد النخعی۔ غیاث بن ابراہیم النخعی۔ مغیرہ بن سعید کوفی۔ احمد بن عبداللہ جوبیازی۔ ماعون بن احمد الہروی۔ محمد بن قاسم طالتافی اور محمد بن زیاد الیشکری جیسے "بزرگان قوم" شامل ہیں۔

(تذکرۃ الموضوعات۔علامہ محمد طاہر ص9)

جمال الدین المزنی فرماتے ہیں کہ قاضی ابو نصر بن دوعان کی تمام احادیث جھوٹی ہیں۔

(ابو جیزہ و تذکرۃ الموصوعات ص 9)

علامہ محمد طاہر کہتے ہیں کہ ابن ابی الدنیا۔ ابی نسطور الرومی۔ بشر۔ نعیم بن سالم۔ خراش۔دینار۔ ابان بن سفیان۔ ابراہیم بن اسمعیل۔ ابراہیم بن بطیار الخوارزمی۔ ابان بن نہشل۔ ابراہیم بن رستم اور اسی قماش کے کئی ہزار بزرگ جھوٹی احادیث تراشا کرتے تھے۔

امام سیوطی اپنی مشہور کتاب لآلی میں لکھتے ہیں کہ ابان بن جعفر البصری نے تین سو احادیث وضع کر کے امام ابو حنیفہ کا نام جڑ دیا تھا۔ الوجیز میں المزنی کہتے ہیں کہ حضور کا مشہور خطبہ جو خطبتہ الوداع کے نام سے مشہور ہے تمام تر جعلی ہے۔ اور اس کا واضع میسرہ بن عبدربہ ہے۔ علامہ ویلمی فرماتے ہیں کہ ابو الفضل جعفر بن محمد بن علی الحسینی کی کتاب العروس خرافات کا ایک پلندہ ہے۔ اور اس کی سب حدیثیں جھوٹی ہیں۔

(تذکرۃ الموضوعات ص 10)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ احمد بن اسحاقب ابراہیم بن بلیط بن شریط کا مجموعہ احادیث خرافات ہے۔

(تذکرۃ الموضوعات ص 10)

مفرقہ علوم الحدیث (صفحہ 60) میں مذکور ہے، ابان نے جعلی احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ اور ہر روایت میں حضرت انس بن مالک کا نام جڑ دیا تھا۔ مقام تعجب نہیں ، اگر حضرت انس کی وہ سینہ چیرنے والی حدیث بھی اسی قسم کے مجموعے سے نکل کر صحیح مسلم میں جا پہنچی ہو۔ علامہ ابو الخیر شمس الدین السخاوی "مقاصد" میں لکھتے ہیں

"تفسیری احادیث کے دو مجموعے تیار ہو چکے ہیں۔ ایک کلبی کا اور دوسرا مقاتل بن سلیمان کا۔ کلبی کے متعلق احمد بن حنبل نے لکھا ہے کہ اس کی ایک بھی حدیث صحیح نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض مفسرین اپنے عقائد کے مطابق احادیث گھڑتے رہے۔ جن میں عبدالرحمن بن کیسان الاصم۔ الجبائی الرمانی۔ زفخشری (صاحب کشاف) ابی عبدالرحمن السلمیٰ۔ الثعلبی۔ اور الواحدی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت دور از کار مطالب بیان کئے۔ اور ایسی احادیث وضع کیں کہ عقل سر پیٹ کر رہ جائے۔ مثلاً ایک مفتر مرج البحرین یلتقیان (دنیا کے دو سمند آپس میں مل رہے ہیں) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ بحرین (دو سمندر) سے مراد حضرت علی اور فاطمہ ہیں۔ اور یخرج منہما اللولوء والمرجان (ان سمندروں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں) میں لولو و مرجان سے مراد حسین و حسن ہیں۔

(مقاصد و تذکرۃ الموضوعات
ص 82)

ملاحظہ کیا آپ نے کہ وضع احادیث میں کیسے کیسے بزرگوں کی "دعا و ہمت" شامل تھی۔ منافقوں۔یہودیوں اور دشمنان اسلام کا تو ذکر ہی نہ کیجئے۔ ان کا تو مقصد ہی اسلام کے چشمہ مصفا کو مکدر کرنا تھا۔ بات کیجئے اپنے بڑے بڑے جبہ پوش قاضیوں کی اور خضر صورت واعظوں کی کہ نہ اللہ سے ڈرے، نہ رسول سے شرمائے۔ نہ نقصان مایہ کی فکر کی نہ شماتت ہمسایہ کا خیال آیا۔ اور چودہ لاکھ احادیث کا طور مار عظیم تر اش کر ملت کے سر پہ دے مارا۔ اور کہا کہ یہ ہے تمھارا لائحہ عمل۔ قرآن وحی جلی تھا اور یہ وحی خفی۔ قرآن مجمل تھا اور یہ مفصل۔ خاکم بدہن قرآن ناقص تھا (کہ اس میں ادائے صلوۃ کا طریقہ درج نہیں) اور یہ مکمل۔ اس لئے اسے اپنانا ہی پڑے گا۔

زندگی کی چند روزہ وجاہت اور چند ٹکوں کی خاطر ان لوگوں نے تعلیم اسلام کا ستیاناس کر ڈالا۔ اور اللہ کے انقلاب انگیز، حیات آفرین اور سکون بخش پیغام میں وہ وہ اباطیل و خرافات داخل کر دئیے گئے کہ الامان و المحذور ملت کی ذہنیت مسخ ہو گئی۔ تصورات حیات بدل گئے۔ اور حقائق نگاہ سے اوجھل ہو گئے۔ وہ مسلمان جو سطح ارضی پہ جہانگیر اخوت کی بنیاد ڈالنے آیا تھا وہ خود ایک تنگ و تاریک حجرے میں مقید ہو گیا۔ وہ جس نے ساحل سے اچھل کر بیکراں بننا تھا ایک جوئے کثیف بن کر رہ گیا۔ وہ جس کے خرام ناز کا تماشہ تمام عالم نے دیکھنا تھا، گام اول ہی پہ منزل سمجھ کر بیٹھ گیا۔ وہ جس نے نسل آدم کو اوہام و اباطیل کی دنیا سے نکالنا تھا خود سب سے

بڑا پرستار اوہام بن کر رہ گیا۔ اور وہ جس نے ظواہر و مناسک کے تمام بت توڑنے تھے، ہزاروں بت تراش کر خود ان کی پرستش میں محو ہو گیا۔ درست فرمایا تھا حکیم الامت نے

تمدن، تصوف ، شریعت کلام بتان عجم کے پجاری تمام

یہ امت روایات میں کھو گئی حقیقت خرافات میں کھو گئی

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے　　مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

(اقبالؒ)

تیسرا باب

چند عجیب راوی صحابہ

مبالغہ پسندی، بیجا مدح سرائی، داستان میں ڈرامائی رنگ بھرنا اور خلاف عقل و عادت باتیں لکھنا، ایشیائی سوانح نگاروں کا امتیازی وصف ہے۔ اور مسلمانوں میں یہ بیماری بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ یقین نہ آئے تو اٹھا کر دیکھو شاہنامہ فردوسی میں ہفت خوان رستم، اور اپنے ہزاروں ائمہ و صوفیا کے سوانح حیات۔ مسلم سوانح نگار کو جب تک اپنے ممدوح کے متعلق کوئی خلاف عقل و عادت واقعہ نہ ملے۔ وہ اپنی تصنیف کو نامکمل سمجھتا ہے۔ یہی حضرات جب احادیث تراشی کی طرف متوجہ ہوئے تو وہاں بھی ڈرامائی رنگ پیدا کر دیا۔

اسی رسولؐ کی زبان سے قرآن نکلا تھا۔ جس میں از اول تا آخر نہ مبالغہ ہے نہ کوئی خلاف عقل بات، نہ حقیقت سے تجاوز ہے، نہ ڈرامائی رنگ۔ لیکن جب ہمارے کم سودا و کم نظر لوگ احادیث گھڑنے بیٹھے ، نہ رسول کے رنگ کلام کو سامنے رکھا، نہ ان کی شخصیت کا پاس کیا، نہ قرآن کی حقیقت نگاری کا خیال کیا ۔ اور جو اناپ شناپ منہ میں آیا، اسے معلم کائنات کی طرف منسوب کر دیا۔ ہر مصنف کا ایک خاص انداز تحریر ہوتا ہے۔ جس سے اس کی شخص جھانک رہی ہوتی ہے۔ آپ

غالب کا کوئی کتنا ہی غیر معروف شعر پڑھیں۔ غالب داں مضمون اور تراکیب کو دیکھ کر فوراً تاڑ جائیں گے کہ یہ شعر غالب کا ہے۔ یہی حال ٹیگور ، اقبال اور شیکسپیر کا ہے۔ کہ وہ اپنے انداز بیان ، اسلوب تحریر ، مخصوص تراکیب اور خاص فلسفے کی وجہ سے فوراً پہچانے جا سکتے ہیں۔ اگر کوئی احمق استاد امام دین گجراتی کے ان اشعار

کوئی سیٹ جنت میں خالی نہیں ہے

خوشی سے جہنم میں وڑ مام دینا

قبض کی شکایت اگر تم کو ہووے

تو کھا مولیاں اور مٹر مام دینا

کو اقبال و غالب کی طرف منسوب کرتا پھرے تو کون تسلیم کرے گا؟ ہمارے حدیث سازوں نے نہ رسولؐ کو سمجھا، نہ ان کے انداز بیان کا جائزہ لیا، نہ ان کے بلند پیغام، عظیم المرتبت شخصیت، مخصوص فلسفہ حیات اور جہانگیر تعلیم کا خیال کیا اور ہر رطب و یابس ان کی طرف منسوب کرتے چلے گئے۔ یوں تو حدیث میں اس کی دو نہیں چار نہیں بلکہ لاکھوں مثالیں موجود ہیں۔ لیکن یہاں صرف ایک دو مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اعنتل من الجنابۃ حلا لا احطاہ اللہ مائۃ قصر من درۃ بیضا و کتب اللہ لہ بکل قطرۃ ثواب الف شہید

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے کے بعد نہاتا ہے اللہ تعالیٰ بہشت میں اس کے لئے سفید موتیوں کے

ایک سو محل تیار کر دیتا ہے اور پانی کے جتنے قطرے اس کے جسم سے ٹپکتے ہیں ہر قطرے پہ اسے ایک ہزار شہید کا اجر ملتا ہے۔

دیکھا آپ نے کہ اس شخص کے ہاں مجامعت کتنا بہشت آفریں اور محل ساز عمل ہے؟ اور یہ بھی ملاحظہ کیا کہ اس حدیث میں ڈرامائی رنگ بھرنے کے لئے یہ شخص کہاں پہنچا؟ کہاں سے موتی لئے؟ اور کس سرزمین میں محل جا بنایا۔ اور پھر جان سپاری و سرفروشی جیسے بلند عمل یعنی شہادت کا کیا مضحکہ اڑایا ؟

ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

ملا علی قاری موضوعات کبیر میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین بغداد کے ایک محلہ رصافہ میں صلوۃ جمعہ ادا کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ خطیب نے دوران وعظ میں مندرجہ ذیل حدیث بیان کی۔

"میں نے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے سنا۔ انھوں نے معمر سے،

معمر نے قتادہ سے، قتادۃ نے انسؓ سے اور انسؓ نے رسول اکرم صلعم سے ۔ کہ جب کوئی شخص کلمہ پڑھتا ہے تو ہر لفظ پر ایک پرندہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے پر زمرد کے اور چونچ سونے کی ہوتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔الخ ۔

وعظ کے بعد ان بزرگوں نے اس خطیب سے پوچھا کہ یہ حدیث تم نے کس سے سنی ہے۔ کہا احمد بن حنبل اور یحییٰ سے۔ بولے وہ تو ہم ہیں۔ ہم نے قطعاً کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ خطیب کہنے لگا اس وقت دنیائے اسلام میں سترہ احمد بن حنبل اور سترہ یحییٰ بن معین موجود ہیں۔ تم کس

باغ کی مولی ہو۔ یہ ہر دو بزرگ اس ملا کی دیدہ دلیری و بے حیائی پر لعنت بھیجتے ہوئے واپس چلے گئے۔

یہ تو تھا ان کی احادیث کا رنگ۔ اب ذرا سوانح نگاری میں ان کی "حقیقت نگاری" کا نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

1۔ قیس بن تمیم گیلانی چھٹی صدی ہجری کے راوی تھے۔ آپ کی پیشانی پہ ایک داغ تھا۔ جس کے متعلق ان کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے خچر نے آپ کی پیشانی پر لات رسید کی تھی۔

(توجیہہ)مطلب یہ کہ آپ سوا پانچ سو برس پہلے بھی موجود تھے۔

2۔ اسحاق بن ابراہیم طوسی کہتا ہے کہ میں ہندوستان گیا۔ وہاں قنوج میں ہندوستان کے بادشاہ سرباتانسے ملا۔ اس کی عمر اس

وقت سات سو ستر برس تھی۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس کے پاس رسول اللہ صلعم نے حضرت اسامہؓ اور حضرت حذیفہؓ کو تبلیغ کے لئے بھیجا تھا اور وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ (ذیل ۔علامہ ذہبی۔ تذکرۃ الموضوعات)

اسحاق بن ابراہیم غالباً علامہ ذہبی (673ھ - 784ء- 1275ھ -1382ء) کا ہمعصر تھا۔ آٹھویں صدی کے آغاز میں ہندوستان آیا ہو گا۔ حیرت ہے کہ رسول اللہ کا ایک صحابی ساڑھے سات سو برس سے زندہ تھا۔اور کسی ہندوستانی مسلم کو یہ خیال نہ آیا کہ ایسی بزرگ ہستی کی زیارت ہی کر لیں۔ اور تذکروں میں ان کے واقعات محفوظ کر لیں۔ محمود غزنوی نے 408ھ 1017ء میں قنوج فتح کیا تھا۔ اگر وہاں کوئی صحابی بادشاہ حکمراں ہوتا تو وہ حملہ ہی کیوں کرتا۔ اگر غلط ہمی کی بنیاد پر حملہ کر بیٹھا تھا تو معافی مانگتا اور اپنے دربار کے سینکڑوں مصنفین و شعراء سے کہتا کہ اس مقدس ہستی کے حالات نظم و نثر ہر دو میں قلمبند کرو۔

اگر بالفرض غزنوی سے بھول ہو گئی تھی، تو سلاطین غوری اس فرض کو سرانجام دیتے۔1206 سے1387ء تک خاندان غلامان برسراقتدار رہا۔ اگر کوئی ایسا صحابی موجود ہوتا تو اس دور کے تذکروں میں اس کا نام آ جاتا۔

مزید برآں ایک بادشاہ کا ہندوستان سے چل کر مدینہ جانا اور پھر مشرف بہ اسلام ہونا اتنا اہم واقعہ تھا کہ اگر یہ درست ہوتا تو نجاشی اور ہرقل کے معمولی سے اسلامی رجحان کو اچھالنے والے صحابہ ہزارہا روایات میں اس کا ذکر کرتے۔ چونکہ اس کا کہیں ذکر موجود نہیں۔ اس لئے یہ واقعہ صریحاً غلط اور اور ہمارے تذکرہ نگاروں کے ڈرامائی انداز بیان کا ایک نمونہ ہے۔ بحمداللہ کہ اسلام میں کچھ محققین بھی ہو گذرے تھے۔ جنھوں نے ایسے تمام واقعات پر سخت تنقید کی ہے۔ فجذ اھم اللہ احسن الجزاء ۔

3۔ابو سعید مظفر بن اسد کہتا ہے کہ میں شاہ ہندسرباتک سے ملا ۔ اور اس نے مجھے بتایا کہ میں تین مرتبہ آنحضرت صلعم سے ملا تھا۔ دو دفعہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں۔ سرباتک کی وفات 333ھ 945ء میں ہوئی تھی۔ اور اس کی عمر 894 برس تھی۔ (تذکرۃ الموضوعات ص 102)

حیرت ہے کہ جب اسحاق بن ابراہیم 700ھ کے قریب سرباتک سے ملاقاتی ہوا تھا تو اس کی عمر سات سو ستر برس تھی۔ اور 333ھ میں یعنی 368 برس پہلے اس کی عمر 894 سال تھی۔ ریاضی کے ان "محدثانہ نکات" کو ہم جیسے بے علم کیا سمجھیں گے۔

4۔ علامہ ابن الحجر عسقلانی "لسان المیزان" میں مندرجہ ذیل داستان نقل فرماتے ہیں۔

"کہتے ہیں کہ 573ھ میں امیر عبدالکریم بن نصر کسی جنگل میں شکار کے لئے گئے۔ اور پھرتے پھراتے ایک گاؤں میں جا پہنچے۔ جس کے تمام باشندے اپنے آپ کو جبیر بن حرب کی اولاد بتلاتے تھے۔ اور لطف یہ کہ جبیر بدستور زندہ تھا اور کہتا تھا کہ میں حضورؐ کے ساتھ جنگ خندق میں شامل ہوا تھا"۔

کُجا جنگ خندق (5ھ) اور کجا 573 ہجری۔ صرف 568 برس کا فرق ہے۔ حیرت ہے کہ جس جبیر کے حالات زندگی اس "نقادانہ صحت" کے ساتھ قلمبند ہوئے ہیں ، وہ بھی ہمارے راویوں میں شمار ہوتا ہے؟

5۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص ابو عبداللہ محمد الصقلی سے ملا جس نے مجھے بتایا کہ میرے استاد کو حضرت علیؓ سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اور کہ اس کی عمر چار سو برس سے کچھ زیادہ تھی۔

(تذکرۃ الموضوعات ص 107)

ابن حجر کا سال وفات 852 ھ ہے۔ اور حضرت علی کا 40ھ ۔ اگر سال مصافحہ 40ھ ہی فرض کر لیا جائے تو بھی الصقلی کا استاد 400 ھ کے قریب فوت ہو گیا ہو گا۔ تعجب ہے کہ شاگرد صاحب ابن حجر کو یہ واقعہ سنانے کے لئے نویں صدی ہجری تک جیتے رہے ؟

6- جعفر بن نسطور 340ھ میں فوت ہوا تھا۔ لیکن صحابی ہونے کا اسے بھی دعوٰی تھا۔

7- علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں کہ بابا رتن ہندی کی وفات 632ھ 1238ء میں ہوئی تھی۔ لیکن محدثین کی ایک خاص تعداد اسے صحابی سمجھ کر اس کی احادیث روایت کرتی ہے۔ جب علامہ ذہبی نے بابا رتن کی روایات کو جھوٹا قرار دیا تو قاموس کے مصنف علامہ مجد الدین فیروز آبادی (وفات 814ھ) کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ انھوں نے علامہ ذہبی سے تمام تعلقات توڑ لئے۔

بابا رتن تین سو احادیث کے راوی ہیں۔ جن میں سے دو تین یہاں درج کی جاتی ہیں۔

کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم تحت شجرۃ ایام الخریف فھبت الریح فتناثر الورق فقال النبی ان المومن اذا صلی الفریضۃ فی الجماعۃ تناثر عنہ الذنوب کماتناثر ھٰذ الورق

بابا رتن کہتے ہیں کہ " ہم حضورؐ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ پت جھڑ کا موسم تھا۔ ہوا چلی اور درخت کے پتے جھڑنے لگے تو حضور نے فرمایا کہ جب ایک مومن جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ بھی اسی طرح جھڑ جاتے ہیں"

من اکرم غنیاً لغناہ و اھان فقیرا لفقرۃ لم یزل فی لعنۃ اللہ

جو شخص کسی امیر کی عزت کرتا ہے کہ اس کے پاس دولت ہے اور فقیر کو اس لئے حقیر سمجھتا ہے کہ وہ مفلس ہے۔ اس پر قیامت تک لعنت برستی رہے گی۔

من مات على بغض آل محمد مات کافرا

جو شخص اولاد رسول کے بغض میں مر گیا ، وہ کافر ہو کے مرا۔

بابا رتن کی احادیث بے شکل جھوٹی ہیں۔ لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مضمون اور الفاظ کے لحاظ سے اس کی احادیث ان احادیث سے بہت بلند ہیں جو اسلامی غلاموں نے وضع کی تھیں۔ بابا رتن ایک پیمبر کا صحیح مقام سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے اس مقام کے مطابق احادیث تراشیں۔

امام ذہبی کا خیال یہ ہے کہ بابا رتن کی تمام روایات موسیٰ بن محلی بن بندرا نے 700ھ کے قریب وضع کیں۔ سال مذکور سے پہلے یہ روایات کہیں بھی موجود نہیں تھیں۔ بابا رتن سے کئی حضرات نے روایت کی ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ موسیٰ بن محلی نے اسے رتن بن نصر بن کرپال الہندی کے نام سے یاد کیا ہے۔ زید بن میکائیل نے اسے رتن بن مہادیو بن باسند بوا بنا دیا۔ داؤد بن اسد نے اسے رتن بن بدن بن نبدی الصراف السندھی قرار دیا۔ اور ابو بکر المقدسی نے اسے رتن بن عبداللہ بتایا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ابو الطفیل عامر ؓبن دائلہ آخری صحابی تھا جس کی وفات 102ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی (جامع الصحاح) اس لئے جبیر اور رتن وغیرہ کے افسانے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

چوتھا باب

کچھ ائمہ حدیث اور معتبر راویوں کے متعلق

ائمہ حدیث میں ایسے بزرگ بھی پائے جاتے ہیں، جن پر ملت اسلامیہ کو ہمیشہ ناز رہا ہے۔ ان کا علمی مقام اتنا بلند اور ان کے ثقافتی کارنامے اتنے عظیم ہیں کہ ہمیں ان پر تنقید کی جرات ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہم یہاں صرف اتنا ہی بتائیں گے کہ ایک امام کی رائے دوسرے امام یا راوی کے متعلق کیا تھا۔

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں :-

1- علی بن مسہر نے سنا ہشام بن عروہ سے۔ اس نے اپنے والد سے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

ماعلم انس بن مالک و ابو سعیدن الخدری بحدیث رسول اللہ صلعم و انما کانا غلامین صغیرین

حضرت انسؓ اور حضرت ابوسعید الخدری حدیث رسولؐ سے محض نا واقف ہیں۔ اس لئے کہ وہ رسول اللہ کی زندگی میں چھوٹے چھوٹے لڑکے تھے۔ (جامع بیان العلم ص 197)

2- حجاز میں تابعین کے بڑے بڑے محدث تین تھے۔ عطاء ، طاؤس اور مجاہد۔ طاؤس کہتا ہے کہ ایک دن میں حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس

بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے وتر کے متعلق حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث پڑھی۔ ابن عمرو نے فرمایا کذب ابوھریرة (ابوہریرہ جھوٹا ہے) ۔ (جامع ص 197)

یہ نہ بھولئے گا کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ احادیث پانچ ہزار سے کم نہیں۔

3۔ جب حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ حدیث پڑھی گئی۔

صلواۃ الیل مثنیٰ مثنیٰ و اذا اخشیت الصبح فواحدۃ

رات کی نماز دو رکعت ہے اور جب صبح قریب آ جائے تو ایک رکعت (یعنی وتر) ادا کرو۔

تو آپ نے فرمایا کذب ابن عمر ، ابن عمر جھوٹا ہے۔ (جامع ص 197)

4۔ جب حضرت عمر بن خطاب کی یہ حدیث

ان المیت یعذب بیکاء اھلہ علیہ

کہ میت پہ رونے سے میت کو سزا ملتی ہے۔

حضرت عائشہ کے سامنے بیان کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ اللہ ، عمرؓ پہ رحم کرے ۔ کیا اس نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی۔

لا تزرو ازرۃ دزرء اخری

کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا (بخاری و مسلم)

مسلم نے یہ حدیث چھ مرتبہ چھ صحابہ سے روایت کی ہے۔ یعنی مغیرہ ؓ بن شعبہؓ، نافع بن عبداللہؓ عمر بن خطابؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، ابو موسیٰ اور انس بن مالکؓ سے۔ حضرت عائشہؓ نے گویا سب کی تردید فرما دی۔

5۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کے سامنے ابن عمرؓ کی یہ حدیث بیان کی گئی

اطلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ اھل القلیب فقال ھل وجدتم ماوعد ربکم حقا، فقیل لہ اقدعوا امواتاً فقال ما انتم باسمع منھم ولکن لا یجیبون

حضور ؐ نے مقتولین جنگ کی لاشوں کو جو ایک گھڑے میں پڑی تھیں دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ مواعید پورے کر دئیے ہیں جو تم سے کئے گئے تھے؟ کسی نے کہا آپ مردوں کو پکار رہے ہیں؟ فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ فرق یہ ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔

تو آپؓ نے کہا۔ حضورؐ نے ان لاشوں کو دیکھ کر صرف اتنا فرمایا تھا۔

انھم لیعلمون الان ان ماکنت اقوا حق

ان لوگوں کو اب معلوم ہو جائے گا کہ جو کچھ میں کہا کرتا تھا، وہ درست تھا۔

اور پھر قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

انک لا تسمع الموتی تم مردوں کو کوئی بات نہیں سنا سکتے ۔ (صحیح بخاری باب ما جامد فی عذاب القبر)

حضرت عائشہ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عمرؓ کی یہ روایت قرآن سے متصادم ہوتی ہے۔ اس لئے یہ درست نہیں۔

6۔ عروہ بن زبیر مدنی (وفات 94ھ) سے کسی نے کہا کہ بقول ابن عباسؓ ، رسول کریم صلعم نبوت کے بعد تیرہ برس مکہ میں رہے تھے، تو عروہ بولے ابن عباس جھوٹ کہتا ہے۔ (جامع ص 197)

7۔ حضرت امام حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب سے کسی نے وشاھد و مشھود کی تفسیر پوچھی۔ جب آپ بیان کر چکے تو سائل نے کہا کہ ابن عمرو اور ابن زبیر کی تفسیر کچھ اور ہے۔ فرمایا قدکذبا۔ ان دونوں نے جھوٹ بولا ہے۔ (جامع بیان ص 197)

9۔ محمد بن جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہ کو عبداللہ بن عمروؓ کی ایک حدیث سنائی۔ جس پر معاویہؓ کو سخت غصہ آیا اور لوگوں کو جمع کر کے کہا

بلغنی ان رجالا منکم یتحدثون احادیث لیست فی کتاب اللہ ولاتوثرعن رسول اللہ صلعم۔ فااولئک جھالکم فایاکم والا مانی التی تضل اھلہا

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے بعض لوگ ایسی حدیث بیان کر رہے ہیں جو نہ رسول اللہ سے منقول ہیں اور نہ تعلیمات قرآن کے مطابق۔ یہ لوگ جاہل ہیں۔ تم گمراہ کن آرزوؤں سے دور رہو۔

(صحیح بخاری جلد 2 ص 171)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے زمانے ہی میں احادیث کا چشمہ مکدر ہو چکا تھا۔ اقوال رسول کو مسخ کیا جا رہا تھا۔

https://Quran1book.blogspot.com https://SalaamOne.com/Tejdeed

اور اہل نظر صحابہ کا اعتماد اٹھ چکا تھا۔ ورنہ امیر معاویہؓ ، ابن عمروؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو جاہل کیوں کہتے ؟

اس حدیث میں " ان رجالا منکم" کے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں کافی تعداد ایسے حضرات کی موجود تھی جو محرف احادیث بیان کرنے کے خوگر تھے۔ ورنہ معاویہ رجالا (کئی اشخاص) کی جگہ رجلاً (ایک آدمی) کا لفظ استعمال کرتے۔

10۔ جب سمرہ کی یہ حدیث

کانت للنبی سکتتان عند قرائتہ فی الصلاۃ

حضور نماز میں دو مرتبہ سکتہ (ٹھہرنا ، وقفہ کرنا) فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمران بن الحصینر (وفات52ھ) نے سنی تو کہا کذب سمرۃ۔ سمرہ جھوٹا ہے۔

(کتاب الانتقاع۔ بجلو و المیتتہ للمروزی و جامع ص 197)

یہ تو تھے صحابہ کرام۔ اب ذرا نیچے آئیے اور دیکھئے کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث ایک دوسرے کو کیا سمجھتے تھے۔

حضرت امام مالک بن انس کے متعلق محمد بن اسحٰق کہا کرتے تھے کہ وہ جھوٹا ہے اور امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ ابن اسحٰق دجال ہے۔ (جامع ص 198)

امام ابو حنیفہ سے کسی نے پوچھا کہ جابر الجعفی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا ھوا کذاب ۔ وہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔ (جامع ص 195)

الاعمش حدیث کا امام تھا۔ علی بن حشرم المروزی (وفات 257ھ) فضل بن موسیٰ السینانی المروزی روایت کرتا ہے کہ ایک مرتبہ الاعمش بیمار پڑ گئے۔ تو فضل بن موسیٰ اور امام ابو حنیفہ اس کی عیادت کو گئے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا۔ اگر میرا آنا آپ کو ناگوار نہ گزرتا تو میں ہر روز آتا۔ اعمش نے جھٹ کہا۔ مجھے تو تیرا اپنے گھر میں بھی رہنا گوار نہیں۔ (جامع ص 199)

الاعمش کے متعلق امام ابو حنیفہ کے متعلق رائے یہ تھی کہ نہ وہ روزے رکھتا ہے اور جنابت کے بعد غسل کرتا ہے۔ یعنی ایک فاسق اور نجس سا آدمی ہے۔(جامع ص 199)

سعید بن المسیب المدنی (وفات 105ھ) اور حسن بصری، عکرمہ (وفات 107ھ) کو جھوٹا کہا کرتے تھے۔ اور یہ ان کو کذاب سمجھتا تھا۔(جامع ص 197 – 198)

قتادہ (وفات 118ھ) یحییٰ بن ابی کثیر (وفات 129ھ) کو جھوٹا سمجھتا تھا۔ اور یہ اسے۔ (جامع ص 199)

اصمعی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلیمان التیمی (وفات 143ھ) کے ہاں ابن عروبہ کا ذکر چل پڑا تو اصمعی نے کہا کہ ابن ابی عروبہ اور اس کا استاد قتادہ دونوں جھوٹے ہیں۔ (جامع ص 20)

یحییٰ بن معین پہلا محدث ہے جس نے راویوں کے حالات قلمبند کئے تھے۔ آپ امام شافعیؒ کے متعلق فرماتے ہیں۔ هولیس بثقۃ ۔ آپ کی روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔ (جامع ص 201)

(کتاب فی الضعفا ۔ حافظ ازوی محمد بن الحسین الموصلی)

حضرت امام مالک پر ابن ابی ذئب۔ ابراہیم بن سعد۔ اور ابراہیم بن ابی یحییٰ نے سخت نکتہ چینی کی ہے۔ الساجی ، کتاب العلل میں لکھتا ہے کہ عبدالعزیز بن سلمہ۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم۔ ابن اسحق۔ ابن ابی یحییٰ اور ابن ابی الزناد۔ امام مالک کی حدیث کو اس لئے قابل اعتماد نہیں سمجھتے کہ آپ نے ثور بن زید اور سعد بن ابراہیم جیسے جھوٹے راویوں سے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ (جامع ص201)

امام ابو حنیفہ کے استاد حماد بن سلیمان سے کسی نے پوچھا کہ حجاز کے محدثین عطا ، طاؤس اور مجاہد کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ تو کہا :

و صبیانکم اعلم منهم

تمہارے نادان بچے بھی ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں ۔ (جامع ص 196)

امام شعبی کوفی کے ہاں امام ابراہیم نخعی کوفی (وفات 95ھ) کا ذکر آیا تو کہنے لگا۔ یہ یک چشم رات کے وقت ہر مسئلہ مجھ سے پوچھ جاتا

ہے اور دن کے وقت لوگوں پہ اپنی علمیت کا رعب کستا رہتا ہے۔ نخعی کو یہ بات پہنچی تو اس نے کہا ھو کذاب وہ مہا جھوٹا ہے۔(جامع ص 196)

جابر بن یزید کا قول ہے کہ میرے پاس ستر ہزار حدیثیں ایسی ہیں جن کا راوی صرف ابو جعفر ہے۔

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم طبع مجتبائی ص 153)

اندازہ لگائیے کہ وضع احادیث کی وبا کس قدر عالمگیر تھی۔

ابو الجعفر الہاشمی المدنی کی رائے یہ تھی کہ عمرو بن عبید جھوٹا ہے۔

(فتح الملہم ص 137)

عبید اللہ بن معاذ عنبری کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ (وفات 160ھ) کو لکھا کہ واسط کے قاضی ابی شیبہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟ جواب میں لکھا :

لاتکتب عنہ شیئا و مزق کتابی

اس کی کوئی حدیث مت لکھو اور میرا یہ خط ضائع کر دو

(فتح الملہم ص 138)

عفان کہتے ہیں کہ میں نے صالح المری کے سامنے حماد بن سلمہ بصری (وفات 167ھ) کی بیان کردہ احادیث پیش کیں تو اس نے کہا ، وہ جھوٹا ہے۔

(فتح الملہم ص 138)

یزید ہارون بیان کرتا ہے، کہ زیاد بن میمون نے ایک ہی حدیث مجھے تین موقعوں پر سنائی اور ہر مرتبہ نئے راوی جڑ دئیے۔ چنانچہ میں نے قسم کھا لی کہ آئندہ اس کی کوئی حدیث بیان نہیں کروں گا۔

(فتح الملہم ص 139)

علی بن مسہر کوفی کہتا ہے ، کہ میں نے اور حمزہ الزیات نے ابان بن ابی عیاش سے قریباً ایک ہزار احادیث سنی تھیں۔ حمزہ بیان کرتا ہے کہ ایک رات میں حضور علیہ السلام کے دیدار نصیب ہوئے۔ میں نے وہ تمام احادیث آنحضرت کو سنائیں۔ حضور نے صرف پانچ یا چھ احادیث کو صحیح قرار دیا اور باقی کے متعلق فرمایا کہ میں انھیں نہیں پہچانتا۔(فتح الملہم ص 140)

اب اسحٰق الفزاری فرماتے ہیں کہ صرف مشہور اور معتبر راویوں کی احادیث بیان کرو۔ لیکن اگر اسماعیل بن عیاش مشہور راویوں سے بھی کوئی حدیث روایت کرے تو مت مانو۔

لیکن یحییٰ بن معین کہتے ہیں اسماعیل ثقہ (قابل اعتماد) ہے۔(فتح الملہم ص 140)

محمد عبدالرحمن کے متعلق امام مالک کی یہ رائے ہے کہ وہ ثقہ نہیں ۔

لیکن ابو زرعہ اسے ثقہ سمجھتے ہیں۔ یہی حال مندرجہ ذیل راویوں کا ہے:

ثقہ سمجھنے والے	غیر ثقہ کہنے والے	راوی کا نام
احمد بن حنبل۔ یحییٰ بن معین۔ ابن عدی	امام مالک	شعبہ مدنی
یحییٰ بن معین	ایوب۔ ابن حبان	فرقد
ابن حبان	امام مالک	ابو الحویرث
سفیان بن عینیہ۔ ابن حبان۔ یحییٰ بن معین	ابن عدی۔محمد سعد	شرجیل بن سعید

(فتح الملہم ص 141-142)

ثقہ سمجھنے والے	غیر ثقہ کہنے والے	راوی کا نام
احمد بن حنبل۔ یحییٰ بن معین۔ ابن عدی	امام مالک	شعبہ مدنی
یحییٰ بن معین	ایوب۔ ابن حبان	فرقد
ابن حبان	امام مالک	ابو الحویرث
سفیان بن عینیہ۔ ابن حبان۔ یحییٰ بن معین	ابن عدی۔محمد سعد	شرجیل بن سعید

(فتح الملہم ص 141-142)

کہاں تک گنوں، سینکڑوں راوی ایسے ہیں۔ جنھیں ایک جماعت سچا سمجھتی ہے اور دوسری جھوٹا۔ شعبہ المدنی کو دیکھئے کہ امام مالک جیسا عظیم الشان مجتہد اسے جھوٹا سمجھتا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل جیسا امام الدہر اسے سچا قرار دیتا ہے،۔ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں۔ ائمہ حدیث اور صحابہ کرام کے فتوے ایک دوسرے کے متعلق آپ

پڑھ چکے ہیں۔ تو جو احادیث ان صحابہ ان ائمہ حدیث اور ان دلچسپ راویوں سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہیں۔ ان پہ کوئی کہاں تک اعتماد کرے۔

پانچواں باب

حدیث پر ایک مکالمہ

ہمارے علماء کا خیال یہ ہے کہ حدیث وحی خفی ہے۔ چند روز ہوئے اسی عقیدہ کے ایک مولانا میرے ہاں تشریف لائے اور اس موضوع پہ مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

مولانا: قرآن شریف میں مذکور ہے کہ وحی تین طرح سے آتی ہیں۔

ماکان لبشر ا ن یکلم اللہ الاوحیا اومن ورآ حجاب اریرسل رسولا

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان سے گفتگو کرنا چاہتا ہے تو تین طریقے استعمال کرتا ہے یا تو اپنا پیغام بغیر کسی وساطت کے اسکے دل پہ نازل کر دیتا ہے یا پردے کے پیچھے سے گفتگو کرتا ہے اور یا اپنے قاصد یعنی جبریل علیہ السلام کو پیغام دے کر بھیجتا ہے ۔ یہ تیسری قسم وحی متلو ، یا وحی جلی ہے۔ اور باقی دو قسمیں وحی خفی ہیں ۔ جن کا دوسرا نام حدیث ہے۔

برق: وحی کے اصطلاحی معنیٰ کیا ہیں ؟

مولانا: پیغام خدا۔

برق: بہت اچھا۔ جب قرآن بھی پیغام خدا ہے اور حدیث بھی۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ رسول اکرم صلعم اور آپ کے صحابہ نے قرآن کو لکھنے اور محفوظ رکھنے کے لئے تمام تر انسانی وسائل اختیار کئے۔ لیکن

حدیث کو نہ صرف نظر انداز کیا بلکہ حضورؐ نے احادیث لکھنے سے منع فرما دیا اور صدیقؓ و فاروقؓ نے احادیث کو مٹانے اور جلانے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کی۔ حدیث اللہ کا پیغام ہو اور صحابہ اسے جلاتے پھریں۔ یعنی چہ ؟

مولانا:فلاں عالم ، فلاں مجتہد اور فلاں امام نے حدیث کو وحی خفی کہا ہے۔ آپ کون ہیں انکار کرنے والے ؟

برق:مجھے سچائی سے معاندت نہیں۔ بات کو واضح کیجئے۔ اور میں ابھی آپ کا ہم خیال بن جاتا ہوں۔ اگر حدیث وحی تھی تو اسے قرآن کے متن میں کیوں شامل نہ کیا گیا۔ وہ بھی اللہ کا پیغام ، یہ بھی اللہ کا پیغام۔ پھر فرق کیا تھا ؟

مولانا: قرآن کے مضامین اور الفاظ ہر دو الہامی تھے۔ اور احادیث کے صرف معانی بذریعہ وحی نازل ہوئے تھے۔ اور الفاظ رسول اللہ صلعم کے اپنے تھے۔

برق: اللہ نے یہ دو قسم کے پیغامات کا سلسلہ کیوں شروع کیا تھا؟ کیا اللہ کے خزانے میں الفاظ کی کمی ہو گئی تھی یا کوئی خاص مصلحت اس دو رنگی کی متقاضی تھی۔ اللہ تعالیٰ جب مضامین اتارنے کی تکلیف گوارا کر رہا تھا تو الفاظ بھی ساتھ ہی بھیج دیتا۔ مزید برآں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب قرآن و حدیث ہر دو وحی تھے تو ایک کی حفاظت کیوں کی گئی اور دوسرے کو مٹانے کے وسائل کیوں اختیار کئے گئے۔ کیا حدیث کوئی گھٹیا قسم کی وحی تھی۔ اگر الفاظ ساتھ نہیں تھے تو نہ سہی۔ پیغام تو اللہ کا ہی تھا۔ پھر رسول اللہ صلعم کے اپنے الفاظ کیا کم تھے۔ یہ آپ ہی قول توہے۔ انا افصح العرب و العجم (میں عرب و عجم کا فصیح ترین

انسان ہوں) ۔ پیغام اللہ کا ، کلام افصح العرب و العجم کا اور پھر صحابہ کرام اس کی حفاظت نہ کریں۔ آخر بات کیا تھی ؟

مولانا: کیا آپ نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی۔ **وما ینطق عن الھری ھو الا وحی یوحی** کہ رسول جو کچھ منہ سے ادا فرماتے ہیں وہ وحی ہے۔ اس آیت کی موجودگی میں آپ حدیث کے وحی ہونے سے کیسے انکار کر سکتے ہیں ؟

برق: آپ نے اپنے" مقدمے" کو اور زیادہ خراب کر لیا ہے۔ پہلے آپ فرما رہے تھے کہ حدیث کے الفاظ الہامی ہیں۔ اور الفاظ رسول اللہ صلعم کے۔ اب آپ کہہ رہے ہیں کہ ان کا نطق ، یعنی الفاظ بھی الہامی تھے۔ مطالب بھی خدائی اور الفاظ بھی خدائی۔ پھر یہ احادیث قرآن سے جدا کیوں کر دی گئیں ؟

مولانا: تو پھر آپ قرآن کی اس وحی والی آیت کا ترجمہ کیا کریں گے؟

برق: اس آیت کا صاف مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی پیغمبر کو دنیا میں بھیجتا ہے تو اس کی طرف پیغامات بھیجنے کے لئے تین طریقے اختیار فرماتا ہے۔ کبھی پردے کے پیچھے سے بولتا ہے۔ کبھی قاصد بھیجتا ہے۔ اور کبھی رسول پر ایک خاص کیفیت طاری کر کے پیغام اس کے دماغ پہ نازل کر دیتا ہے۔ ہر الہامی کتاب کے نزول کے وقت یہ تینوں طریقے استعمال کئے گئے۔ اور احادیث میں وحی قرآنی کے ان تینوں مدارج کا ذکر موجود ہے۔ معراج کی رات اللہ نے رسول سے گفتگو کی۔ بارہا جبریل انسانی شکل میں آئے۔ کچھ کہا ، کچھ پوچھا اور چلتے بنے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ بیٹھے بیٹھے رسول اللہ صلعم پر ایک

خاص کیفیت کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ جسم اتنا وزنی ہو جاتا تھا کہ آپ کی ناقہ بوجھ کو سہار نہ سکتی تھی اور بیٹھ جاتی تھی۔ آنکھیں بند ہو جاتی تھیں۔ نتھنوں سے خراٹوں کی آوازیں نکلنے لگتی تھیں۔ اور یہ وہ وقت ہوتا تھا جب آپ پر بلاواسطہ وحی آتی تھی۔

بہرحال، وحی کسی طریقے سے آئے، وہ وحی ہے۔ واجب التعمیل ہے اور واجب الحفاظت۔ قرآن کے متعلق اللہ کا یہ ارشاد موجود ہے

نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون

یہ ذکر اور یہ ہدایت ہم نے نازل کی اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ قرآن کی ایسی حفاظت ہوئی کہ تمام عالم نے ہماری کتاب کی صحت پر شہادت دی۔ لیکن حدیث ! توبہ ہی بھلی۔ اس کا تو وہ ستیاناس ہوا کہ اس سے زیادہ محرف اور مسخ شدہ لٹریچر دنیا کے صفحے پر موجود نہیں۔ مولانا! خدارا کچھ سوچئے۔ مطالب خدائی ہوں، الفاظ بھی بقول آپ کے الہامی ہوں اور پھر اللہ اپنے وعدے کے مطابق نہ کرے ، نہ ہمیں اس پر ایمان لانے کا حکم دے نہ اپنے رسولوں کو اس کی کتابت کا حکم دے نہ صحابہ کو اس کی تباہی سے روکے۔ آخر بات کیا تھی؟

مولانا: آپ ہی کچھ بتا دیں۔ میرے تو حواس تک آپ کی زبان درازی نے اڑا دئیے ہیں۔

برق: بات صاف ہے اللہ نے رسول کریم کو جو کتاب بذریعہ وحی عطاء کی تھی اس کا نام قرآن ہے نہ کہ صحیح بخاری۔ ملاحظہ ہوں یہ آیات۔

اوحینا الیک ھذ القرآن (سورۃ یوسف)

ہم نے جو کتاب بذریعہ وحی تمھیں عطا کی ہے اس کا نام قرآن ہے۔

"وحی" کے لفظ میں تینوں مفہوم آ جاتے ہیں۔ اللہ نے سارے قرآن میں کہیں نہیں کہا۔ نہ صراحتاً ، نہ اشارتاً ، نہ کنایتہً

کہ وحی بواسطہ جبریل سے ہم قرآن اتار رہے ہیں۔ اور وحی کے باقی طریقے حدیث نازل کرنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ کیا سارے قرآن میں حدیث کا ضمناً بھی کہیں ذکر ہے؟ اگر نہیں ہے تو آپ اسے ہمارے ایمان کا جزو کیسے بنا رہے ہیں۔ اگر حدیث پہ ایمان لانا ایسا ہی ضروری تھا تو جس خدا نے لاکھوں انبیاء سینکڑوں صحائف کروڑوں ملائکہ پہ ایمان لانے کا بیسیوں مرتبہ حکم دیا تھا کیا وہ حدیث پہ ایمان لانے کا حکم نہیں دے سکتا تھا؟ اگر اللہ نے اس چیز کو قابل ایمان نہیں سمجھا تو آپ کون ہیں ہمیں حدیثوں پہ ایمان لانے کا حکم دینے والے؟

مولانا: آپ کے پاس و ما ینطق عن الھوی ... کا کیا جواب ہے؟

برق:آیت کا مفہوم نہایت صاف ہے کہ قرآن رسول کی خواہشات کا آئینہ دار نہیں۔ بلکہ وہ اللہ کا پیغام ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن رسول کی تصنیف نہیں، کہ جو جی میں آیا ، اس کے مطابق آیات تیار کر لیں۔ (وما ینطق عن الھوی) بلکہ وہ ہمارا پیغام ہے جو ہماری مشیت کی ترجمانی کر رہا ہے (ان ھو الا و حی یوحی) اس آیت میں ھو کا مرجع ہے قرآن ، جو وہاں محذوف ہے۔ آپ کہیں گے کہ محذوف کے لئے کوئی قرینہ چاہیے۔ بھائی صاحب ! قرآن میں سینکڑوں آیات اس حذف کے لئے بطور قرینہ موجود ہیں۔ مثلاً

و اوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ

تمھیں ڈرانے کے لئے مجھ پر قرآن نازل کیا گیا ہے۔

اور آپ کہتے ہیں کہ حدیث بھی ساتھ اتری ہے۔ ایک اور آیت دیکھئے۔

انا انزلنا لناہ قرآناً عربیاً

ہم نے قرآن نازل کیا ، جو عربی زبان میں ہے۔

ان کے علاوہ درجنوں آیات اسی مضمون پر موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے رسول کو صرف قرآن دیا، جو ہدایت ہے ، نور ہے، روشنی ہے ، فرقان ہے ، رحمت ہے ، کامل ہے ، احسن ہے ، اتم ہے اور اس طرح محفوظ ہے کہ

لایاتیہ الباطل من بین یدیہ و لا من خلفہ

اس میں باطل کسی راستے سے داخل ہو ہی نہیں سکتا۔

اور دوسری طرف حدیث کا باطل نے وہ پلستر بگاڑا ہے کہ لاکھوں آفتاب و ماہتاب لے کر بھی ڈھونڈو، تو حقیقت کا سراغ نہ مل سکے ۔ الا ماشاء اللہ

مولانا: مگر حدیث کی حجت پر ایک آیت موجود ہے۔

برق: فرمائیے

مولانا: **اطیعواللہ و الرسول** (اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت کرو) اللہ نے قرآن دیا ہے اور رسول نے حدیث۔ اس لئے دونوں پہ ایمان لانا فرض ہے۔

برق: آپ نے پوری آیت نہیں پڑھی۔ و اولی الامر منکم چھوڑ گئے ہیں۔ ساری آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہوا "اللہ اور رسول اور حاکم وقت(جو تم میں سے ہو)کو مانو" اگر رسول کی اطاعت کا یہی مطلب ہے کہ آپ کے

تمام اقوال پر ایمان لاؤ، تو پھر حاکم وقت کے اقوال پر بھی ایمان لانا پڑے گا۔ کیونکہ اللہ نے اس کی اطاعت کا بھی ویسا ہی حکم دیا ہے۔ کئی بادشاہ مصنف بھی تھے۔ مثلاً بابر نے "تزک بابری" لکھی ۔ جہانگیر نے "تزک جہانگیری" اور اورنگ زیب عالمگیر کی بھی ایک آدھ کتاب موجود ہے۔ یہ اپنے زمانے میں "اولی الامر" تھے۔ تو کیا تزک بابری و جہانگیری پر بھی ایمان لاتے پھریں ؟

مولانا: تو کیا اقوال رسول قابل ایمان نہیں؟

برق: کیوں نہیں! بشرطیکہ کہیں سے کوئی قول رسول مل جائے۔ رونا تو اسی بات کا ہے کہ اقوال رسول کا دستیاب ہونا بیحد دشوار ہے۔ اگر اقوال رسول مل جاتے تو مجھے یقین ہے کہ ہر لفظ قرآن حکیم کی تشریح ہوتا۔ اور قرآن پہ ایمان لاتے ہی وہ ہمارے دائرہ ایمان میں شامل ہو جاتے۔

مولانا: آپ "اطیعو الرسول" کا مفہوم کیا سمجھتے ہیں ؟

برق: ہر حکومت کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ ہر دفتر، ہر افسر اور ہر ملازم کے لئے پہلے چند قوانین بناتی ہے اور پھر حکم دیتی ہے کہ ان

ہدایت و قوانین کی پابندی کرو۔ اور جو افسران قوانین کے نفاذ کے لئے تم پر مقرر کیا گیا ہے اس کی اطاعت کرو۔ یہی حال ہمارا اور اللہ کا ہے۔ اللہ نے ہمیں قوانین کی ایک کتاب یعنی قرآن دے کر اپنے رسول کو ہمارا امیر اور اولی الامر بنا دیا۔ تاکہ وہ ان قوانین کو نافذ کر سکے۔ اور ہمیں حکم دے دیا کہ رسول کی اطاعت کرو۔ رسول خدا جب تک بقید حیات رہے صرف انھی قوانین کی تعمیل کراتے تھے۔ جن کی تفصیل قرآن میں دی ہوئی تھی۔ اور آج بھی ہم پر رسول خدا کی اطاعت قرآنی احکام کی حد تک فرض ہے۔

مولانا:آپ کا مطلب غالباً یہ ہے کہ اگر رسول قرآنی احکام کے علاوہ کسی اور بات کا حکم دیں تو آپ اس کی تعمیل نہیں کریں گے۔

برق:یہ آپ نے فرض ہی کیوں کر لیا کہ رسول صلعم قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کا حکم دینے کی جرات بھی کر سکتے تھے۔ انھیں بار بار کہا جا رہا تھا۔

بلغ مآانزل الیک

اے رسول! تم وہ احکام امت تک پہنچاؤ جو ہم تمھیں دے رہے ہیں۔

کیا رسول صلعم اس صریح حکم سے سرتابی کی جرات کر سکتے تھے؟ لفظ رسول کے معنی ہی قاصد۔ ایلچی اور چٹھی رساں ہیں تو ایک قاصد خود کیسے آقا بن سکتا ہے ؟

آپ ایک چھوٹا سا نقطہ پیش نظر رکھیں کہ رسول اکرم صلعم کی دو حیثیتیں تھیں۔

وہ پیمبر بھی تھے اور بشر بھی۔ بحیثیت پیمبر ہم ان کی اطاعت پر مامور ہیں۔ اور بحیثیت بشر ، اللہ اور رسول نے ہمیں مکمل آزادی دے رکھی تھی۔ کہ ہم چاہیں تو کھانے ، پینے ، چلنے ، بولنے ، لیٹنے اور سونے میں حضور کی روش اختیار کریں یا حدود شریعت کا خیال رکھتے ہوئے اپنی پسند، اپنے مذاق، اپنے ملک و ماحول اور اپنے رجحان سے کام لیں۔ تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ بعض اوقات صحابہ نے آپ کی بشری ہدایات یا مشوروں پر عمل نہیں کیا تھا۔ مثلاً جب آپ کے غلام زید نے اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہی تو آپ نے فرمایا "امسک علیک زوجک" (طلاق مت دو) لیکن زید نے یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ اسی طرح جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق حضرت عمر کا اصرار تھا کہ انھیں قتل

کر دیا جائے لیکن حضور نہ مانے اور وحی نے حضرت عمر کی تائید کر دی۔ حضور نے گیارہ نکاح کئے تھے۔ لیکن ہمیں اس کی اجازت نہیں۔ حضور نے ایک اندھے سے بے التفاتی فرمائی جس پر سورۃ عبس نازل ہوئی۔ اور ملک العرش نے اپنے محبوب کو ایک ہلکی سی ڈانٹ پلا دی۔

اسی طرح کے چند اور واقعات بھی موجود ہیں۔ جہاں صحابہ نے حضور کے بشری رجحانات کی تقلید سے آزاد ہو کر اپنی راہ خود نکالی۔ اور یہی اسلام کا سب سے بڑا وصف ہے کہ قرآن کے گنے ہوئے چند سادہ سے ابدی احکام کے سوا ہم کسی اور ہنگامی حکم یا وقتی ہدایت کے لئے مامور نہیں۔

مولانا: وہ جو ائمہ حدیث نے لکھا ہے کہ احادیث میں روایت بالمعنی ہے۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

برق: روایت بالمعنی کی تشریح کیجئے۔

مولانا: بالکل سادہ سا لفظ ہے کہ احادیث میں رسول صلعم کے الفاظ منقول نہیں بلکہ صرف مطالب منقول ہیں۔

برق: آپ کا مطلب یہ ہے کہ مضمون حضور صلعم کا ہوتا ہے اور الفاظ راوی کے[5] ؟

مولانا:جی ہاں ۔

---

5 بہت خوب پہلے تو رسول اللہ سے روایت بالمعنی کرتے ہیں۔ پھر راوی رسولؐ سے روایت بالمعنی کی تکرار کرتا ہے۔ اگر اسی طرح ہر راوی "بالمعنی" کے مصرع کا تکرار کرتا رہے تو آخری راوی تک پہنچ کر غریب "معنی" کا کچومر نہ نکل جائے گا ؟ (ناظرؔ ثانی)

برق: تو پھر آپ ہر حدیث میں یہ کیوں کہا کرتے ہیں قال رسول اللہ۔ اگر ہر حدیث راوی کا قول ہے تو پھر وہ قول رسول نہیں ہو سکتی۔ یہ تو ناممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی قول راوی کا بھی ہو اور حضورؐ کا بھی۔

مزید براں اگر روایت بالمعنی تسلیم کی جائے تو اس صورت میں حدیث کبھی وحی خفی نہیں بن سکتی۔ اس لئے کہ تمام احادیث راویوں کے اقوال ہیں۔ اور وحی حضورؐ پہ آیا کرتی تھی نہ کہ راویوں پر۔ ایک عام انسان کا قول وحی نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اگر آپ وحی خفی کا مفہوم اور واضح کر دیں تو شاید ہم کسی مفید نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ اس لئے کہ یہ وحی بلا الفاظ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ وحی کے معنی ہیں پیغام۔ اگر اللہ کوئی پیغام بھیجے اور الفاظ ساتھ نہ ہوں تو وہ سمجھ میں کیسے آئے گا؟

مولانا: آپ وحی خفی کا مطلب "سوجھنا" سمجھ لیں۔ کہ حضور کو جب کوئی بات سوجھ جاتی تھی تو وہ اپنے الفاظ میں ادا کر دیتے تھے۔ سوجھتے ہمیشہ خیالات ہی ہیں نہ کہ الفاظ اور یہی وحی خفی ہے۔

برق: سوجھنا انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ ایک فلسفی کسی نئی الجھن کو پہروں، ہفتوں بلکہ مہینوں سوچتا رہتا ہے اور کسی نہ کسی دن اسے حل سوجھ ہی جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حل اس فلسفی کے دماغ میں اللہ نے ڈالا تھا لیکن اسے وحی یا الہام نہیں کہتے بلکہ القا کہتے ہیں۔ علمائے مغرب بے شمار مسائل سے دو چار ہوئے۔ سوچتے رہے ، حل سوجھتے رہے۔ اور آج وہ ساری کائنات کو مسخر کرنے کی فکر میں ہیں۔ کیا آپ ان لوگوں کی رفتار کو بھی وحی کہیں گے؟ جس طرح ہم زید و بکر سوچتے ہیں اور انھیں نئے نئے نتائج سوجھ جاتے ہیں۔ اسی طرح حضورؐ بھی سوچا کرتے تھے۔ یہ آپ نے کیسے فرض کر لیا کہ اس معلم کائنات

میں فکر ہی نہیں تھی۔ اگر تھی تو اسے قطعاً استعمال نہیں فرماتے تھے۔ اور ہر معاملے وحی کے منتظر رہتے تھے۔ کیا لوگوں کو استعمال فکر و عقل کی دعوت دینے والا نبیؐ ۔۔لقوم یتفکرون۔ یتدبرون یعقلون۔ (یہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہے جو سوچتے ہیں اور عقل کو استعمال کرتے ہیں) خود نہیں سوچا کرتا تھا۔ اور اسے اپنے آپ پر اس قدر بے اعتمادی تھی کہ جب تک جبریل کوئی مشورہ نہ دیتا، یا اللہ تعالیٰ رہنمائی نہ کرتا تو وہ دین و دنیا کے کسی معاملے میں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میری ناقص رائے یہ ہے کہ یہ وحی خفی کا شوشہ تعظیم رسول کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ تنقیص رسول کے لئے چھوڑا گیا ہے۔

ہمارے بعض علماء تو عشق حدیث میں یہاں تک کھو چکے ہیں کہ اللہ کے کلام کو نہ صرف احادیث کا محتاج ٹھہراتے ہیں بلکہ یہ کہتے بھی سنے جاتے ہیں کہ اگر اللہ کا کوئی قول رسول کے قول سے متصادم ہو جائے تو قول رسول خدا کو منسوخ سمجھو۔ یعنی اللہ کے جاری کردہ احکام کو اللہ کی مرضی کے بغیر ایک حدیث بھی منسوخ کر سکتی ہے۔ احادیث کی سینہ زوری اور قرآن کی بےچارگی کا تماشہ کیجئے۔

مولانا: لاحول و لاقوۃ الا باللہ۔ یہ صریح بہتان ہے ۔ کوئی عالم اس طرح کی جسارت نہیں کر سکتا۔

برق: ثبوت حاضر ہے۔

عن اوزاعی عن مکحول قال القرآن احوج الی السنۃ من السنۃ الی الکتاب

اوزاعی کمحول کے اس قول کے راوی ہیں کہ حدیث قرآن کی اتنی محتاج نہیں جتنا قرآن حدیث کا محتاج ہے

(جامع بیان العلم ص 224)

امام شافعی کا قول ہے۔

القرآن لا ینسخہ الا القرآن

کہ قرآن کو قرآن ہی منسوخ کر سکتا ہے

لیکن ابو الفرح نے حضرت امام مالک کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے (اور یہ نسبت صریح غلط معلوم ہوتی ہے)

ان السنۃ تنسخ القرآن

کہ حدیث قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے

عام دستور تو یہی ہے کہ یا تو ایک افسر اپنے کسی پچھلے حکم کو خود منسوخ کیا کرتا ہے اور یا اس سے کوئی بڑا افسر۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ ڈپٹی کمشنر کے جاری کردہ حکیم کو کوئی نائب تحصیلدار منسوخ کرتا پھرے۔ لیکن ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ ارض و سماء کے خالق اور ان کروڑوں دنیا کے مہیب فرمانروا کا حکم ، اس کا ایک قاصدؐ منسوخ کر سکتا ہے۔ اور وہ خاموش دیکھتا رہتا ہے۔

مولانا: آپ نے حدیث کس سے پڑھی تھی؟

برق: اپنے آپ سے ۔

مولانا: کیا مطلب ؟ کیا آپ کا کوئی شیخ الحدیث نہیں؟

برق: جی نہیں ۔

مولانا:اگر آپ نے حدیث پڑھی نہیں تو آپ کو حدیث کی اقسام معلوم نہیں ، ائمہ حدیث کی خبر نہیں۔ اسناد و رجال سے آگہی نہیں۔ تو پھر آپ جاہل

مطلق ٹھہرے۔ آپ سے گفتگو ہی فضول ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔ لاحول ولا ۔ ۔ ۔

(اور مولانا داغ مفارقت دے گئے)

چھٹا باب

تحریف احادیث کے اسباب

تحریف احادیث کے کئی اسباب تھے۔

اول: حضور صلعم نے احادیث لکھنے سے منع فرما دیا تھا اور جو چیز لکھی نہ جائے اسے تحریف سے بچانا نا ممکن ہو جاتا ہے۔ سیدھی سادھی بات میں ڈرامائی رنگ بھرنا اور ایک معمولی سے واقعے کو "سنسنی خیز" بنانا اگر انسانی فطرت نہیں تو یقین کیجئے اس سے کمتر بھی نہیں۔ اپنے آپ ہی کو دیکھئے ، کتنی ایسی باتیں ہیں جنھیں آپ ہو بہو نقل کر دیتے ہوں۔ نہ ان میں رنگ بھرتے ہوں اور نہ مبالغہ کرتے ہوں۔ گزشتہ 47 برس میں مجھے ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملا جو رنگ آمیزی، مبالغہ اور دیگر سخن گسترانہ عیوب سے پاک ہو۔ میں خود ان عیوب سے مبرا نہیں اور آج کہ میری عمر 47 برس سے کچھ اوپر ہو چکی ہے۔ علم کے کئی منازل طے کر چکا ہوں۔ متانت ۔ حقیقت اور واقعیت کی قدر و قیمت سے آگاہ ہوں۔ پھر بھی داستان سرائی۔ مبالغہ اور رنگ آمیزی سے پوری طرح نہیں بچ سکا۔ ہم ہر روز اخبارات میں ایک ہی واقعہ کی مختلف تعبیریں دیکھتے ہیں۔ چند روز کا ذکر ہے کہ پاکستان کے وزیر اعظم لاہور تشریف لائے۔ یونیورسٹی گراؤنڈ میں ایک جلسہ پنجاب مسلم لیگ کے صدر میاں عبدالباری کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جب میاں صاحب تقریر کے لئے اٹھے ،تو مجمع میں سے آوازیں بلند

ہوئیں "ہم خائنوں کے سردار کی تقریر نہیں سننا چاہتے ، بیٹھ جاؤ ، بیٹھ جاؤ" چنانچہ وہ بیٹھ گئے۔ "نوائے وقت" اور اس کے ہمنواؤں نے لکھا کہ شور مچانے والوں کی تعداد دو بارہ سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن "زمیندار" اور چند دیگر اخبارات کا بیان ہے کہ یہ جلسہ میں شریک ہونے والے دو لاکھ انسانوں کی متفقہ آواز تھی۔ واقعہ دو دن کا ہے۔ دو لاکھ انسانوں نے اسے دیکھا ، تمام اخبارات کے نمائندے بھی وہاں موجود تھے اور پھر بھی اصل حقیقت نہیں کھلتی۔ اسی طرح آج سے کچھ دو روز پہلے واہ کیمپ میں مہاجرین کشمیر کے دو گروہ باہم الجھ پڑے[6]۔ اور فوج کو مجبوراً گولی چلانا پڑی ۔آناً فاناً خبر سارے علاقے میں پھیل گئی۔ میں بھی اس واقعہ کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے گھر سے نکل پڑا۔ بازار میں ساٹھ آدمیوں کے مرنے اور ڈیڑھ سو کے زخمی ہونے کی داستان چکر لگا رہی تھی۔ ذرا آگے مقتولین کی تعداد دو سو ، اور آگے چار سو تھی۔ لیکن جب ان سرکاری حکام سے حقیقت پوچھی ، جو موقع پر موجود تھے تو معلوم ہوا کہ مقتولین کی کل تعداد چار ہے اور زخمیوں کی صرف بارہ۔ احادیث کی تحریف میں انسان کے اس فطری خاصہ کا کافی دخل ہے۔ حضور علیہ السلام سے ایک بات نکلی۔ ہزاروں نے سنی۔ رفتہ رفتہ اس میں رد و بدل ہونے لگا۔ زمانہ گزرتا گیا اور بات بگڑتی گئی۔ ہزاروں سے نکل کر لاکھوں اور لاکھوں سے کروڑوں زبانوں تک پہنچی۔ جہاں کوئی حصہ بھول گیا ، پاس سے بڑھا لیا۔ اصلی قول محفوظ نہیں تھا کہ مقابلہ کر کے تصحیح کر لیتے۔ راویوں میں اچھے بھی تھے

---

6 22 اگست 1949ء - 26 اگست 1949ء

برے بھی ۔ موخرالذکر نے احادیث کو اپنی اغراض کے سانچے میں ڈھالنا شروع کیا اور بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔

حضورؐ کا زمانہ تھا۔ خود سرورکائنات بقید حیات تھے کہ حضرت زبیرؓ سے ان کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے پوچھا کہ آپ روایت حدیث سے کیوں اجتناب کرتے ہیں ؟ فرمایا ! اللہ کی قسم! احادیث میں اختلاف ہو گیا ہے۔ میں نے حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ حدیث ان الفاظ میں سنی تھی۔

من کذبو علی فلیتبوا مقعدہ من النار

جو شخص کوئی غلط قول میری طرف منسوب کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔

لیکن لوگوں نے اس میں "متعمدا" کا لفظ (من کذب علی متعمداً) بڑھا لیا ہے۔

اسی طرح جب حضرت عبداللہؓ بن عمرو کے سامنے حضرت ابو ہریرۃؓ کی کتے والی حدیث بیان کی گئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مویشیوں کی رکھوالی اور کھیتی کی حفاظت کے لئے کتا پالنا جائز ہے۔ تو ابن عمرو نے فرمایا ۔

کیوں نہ ہو۔ ابو ہریرۃ کھیتوں کا ملک جو ٹھہرا ۔ (توجیہہ ص 8 – 11)

چونکہ حضرت ابو ہریرۃ نے اپنے کھیت کے لئے کتا پال رکھا تھا اس لئے بقول ابن عمروؓ آپ نے ایک حدیث تراش کر کتے پالنے کا جواز نکال لیا۔

زمانہ گزرتا گیا۔ اللہ سے ڈرنے والے اور ذات رسول سے عشق کرنے والے لوگ ختم ہو گئے۔ اور بعد میں آ گئے ایسے مسلمان جو کعبہ گرانے، آل رسول کو ذبح کرنے اور حرم نبوی کے معصوم بچوں کو گرم ریگستان میں تڑپا تڑپا کر ہلاک کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ کیا ان حضرات کے لئے احادیث میں رد و بدل کوئی بڑی بات تھی؟ کروڑوں سچی اور جھوٹی زبانوں ، ان مشوش زمانوں، اور اسلام بر انداز حادثوں سے گزری ہوئی احادیث کو صحیح سمجھ کر ان پر مذہب کی بنیاد اٹھانا صحیح نہیں۔

ایک اعتراض ہمارے بعض بزرگ کہتے ہیں کہ احادیث کو چھوڑ دو گے تو نماز پڑھنے کا طریقہ کہاں سے سیکھو گے۔ اور زکوٰۃ کی مقدار کہاں سے معین کرو گے؟

اس سوال کے تین جواب ہیں ۔

اول: اگر ہم احادیث کے مطابق نماز پڑھنا شروع کر دیں تو ہر مسجد کی نماز دوسری سے مختلف ہو جائے گی۔ تفصیل آگے آئے گی۔

دوم: رسول کریم صلعم کو لاکھوں مسلمانوں نے نماز پڑھتے دیکھا۔ اور ان لاکھوں کو کروڑوں نے۔ اور یہ سلسلہ ہم تک پہنچ گیا۔ کیا ان ارب ، کھرب انسانوں کی شہادت کافی نہیں؟ کیا دیہاتی مسلمان بخاری سے نماز کا طریقہ سیکھتا ہے؟ جس طریقے سے ہمارے آباء و اجداد نماز ادا کرتے رہے، ہم نے وہ سلسلہ جاری رکھا اور اب نئی نسل ہماری نقل اتار رہی ہے۔ یہاں صحیح بخاری کی ضرورت ہی کہاں پیش آتی ہے۔ کشمیر کی ساری وادی میں غالباً صحیح بخاری کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہو گا۔ لیکن پھر بھی نہایت صحت سے نماز پڑھتے ہیں۔

سوم:قرآن ہر لحاظ سے ایک مکمل کتاب ہے۔ جس طرح ہم کسی تفسیر ، تاریخ یا تصوف کی کتاب کو یہ منصب عطا نہیں کر سکتے کہ وہ اسلام میں کسی نئے حکم یا اصول کا اضافہ کرے۔ اسی طرح ہم حدیث کو بھی یہ رتبہ نہیں دے سکتے۔ انسانی اقوال کی بے اندازہ آمیزش کی وجہ سے اس کی حیثیت انسانی تصنیف کی ہو چکی ہے۔ جس طرح بعض باقی انسانی تصانیف کو یہ حق حاصل ہے کہ قرآنی احکام و آیات کی شرح بیان کریں۔ اسی طرح محدثین کو بھی اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

اگر ان لوگوں نے صلوۃ و زکوٰۃ کی کوئی ایسی تشریح پیش کی ہے جو قرآن سے متصادم نہیں ہوتی اور تواتر عمل کے بھی خلاف نہیں تو ہمیں اس کے قبول کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے؟ لیکن ہم ان حضرات کو اسلام میں کسی ایسے اضافے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ جو انسانی عقل ، فطرت اور قرآن ہرسہ سے متصادم ہوتا ہو۔

باقی رہا زکوٰۃ کو مسئلہ۔ تو اسے خود قرآن نے بھی واضح کر دیا ہے ۔ زکوٰۃ ہے کیا چیز ؟ اللہ کے راستے میں مالی قربانی۔ ہمارے فقہا کہتے ہیں کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے ایک وقت (ماہ رجب) اور مقدار (اڑھائی فیصد وغیرہ) معین ہے۔ لیکن اللہ کے ہاں اس کا وقت تو معین کوئی نہیں البتہ مقدار کا تعین ضرور ہے ۔ اللہ نے مسلمان کی تعریف یہ بیان کی ہے۔

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و امو الھم بان لھم الجنتہ

اللہ نے مسلمانوں سے دو چیزیں لے لیں ہیں ، جان اور مال۔ اور اس کے صلے میں انھیں جنت دے دی۔

یعنی ہماری جان اور مال کا مالک اللہ ہے۔ جس طرح جاں سپاری کا کوئی خاص وقت معین نہیں جس وقت جنگ کا بگل بجا ، مسلمان سربکف حاضر۔ اسی طرح مال سپاری کا بھی کوئی خاص وقت نہیں۔ جب بھی ملت پہ ابتلا کا وقت آیا۔ مسلمان نے سب کچھ خدا اور رسول کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ہمارا ملا اس طرح کے مالی ایثار کو صدقہ یا للنفاق کہتا ہے اور اصطلاحی بحثوں میں الجھ پڑتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی کے ہیں۔ چونکہ اللہ کی راہ میں مالی ایثار منفق اور مال ہر دو کو پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ اس لئے لازماً ہر قسم کی مالی قربانی زکوٰۃ سمجھی جائے گی۔ اگر میری بات پہ یقین نہ آئے لیجئے اللہ کا فیصلہ

خذ من اموالھم صدقۃتطھرھم بھا و تزکیھم

مسلمانوں سے صدقہ لے کر انھیں مطہر اور مزکیٰ (پاک) بناؤ

تزکی کا ماخذ زکوٰۃ ہے۔ تو گویا اللہ کے ہاں ہر قسم کی مالی قربانی زکوٰۃ شمار ہوتی ہے۔

قضیۂ اشتراکیت و سرمایہ کا خدائی حل ہم عرض کر رہے تھے کہ زکوٰۃ کا کوئی خاص وقت معین نہیں۔ لیکن اللہ نے اس کی مقدار یوں معین کر دی ہے کہ اشتراکیت و سرمایہ کے تمام جھگڑے مٹا دئیے ہیں۔ اس وقت سوشلزم کا سیلاب تین چوتھائی یورپ ، چین اور چند دیگر ممالک پہ چھا چکا ہے اور پوری تندی کے دھاڑتا گرجتا ہوا مغرب میں فرانس بیلجئیم اور مشرق میں ہند و برما کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سیاست دان حیران ہیں کہ کیا کریں۔ اور سرمایہ دار سربگریباں کہ کیونکر بچیں۔ اس مصیبت کا علاج نہ ایشیا کے پاس ہے نہ یورپ کے پاس۔ اگر ہے تو صرف قرآن

کے پاس۔ قرآن کا فیصلہ وہ عظیم الشان فیصلہ ہے کہ اسٹالین سن پائے تو اللہ کی قسم قرآن کے سامنے سربجود ہو جائے۔

کارل مارکس اور اس کے پیرو کہتے ہیں کہ ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ جس دنیا میں سو میں سے 96 انسان بھوک سے مر رہے ہوں۔ دسمبر کے جاڑوں میں عریانی سے ٹھٹھر رہے ہوں۔ مئی اور جون کی لُو میں ہل چلا چلا کر اور پتھر ڈھو ڈھو کر ہلاک ہو رہے ہوں اسی دنیا میں 4 فیصد افراد کو عظیم الشان محلوں ، موٹروں، باغوں اور پارکوں میں عیش اڑانے کا کوئی حق نہیں۔ انھوں نے سرمایہ کے بل بوتے پر غریبوں سے کیوں زمینیں چھینیں۔ ان کی کمائی پر کیوں ناجائز قبضہ کیا۔ وہ بیسیوں عمارات، کئی ہزار ایکڑ زمین ، چار چار پانچ پانچ موٹروں، کئی درجن گھوڑوں، نہروں اور باغوں پر کیوں قابض ہیں؟ غریب کے پاؤں کانٹوں سے چھلنی ہو چکے ہیں اور ان کے دار اللباس میں بوٹوں کے بیس جوڑے بے کار پڑے ہیں۔ غریب کے بچے جنوری اور فروری کی برسات میں ٹھٹھر کر جان دے رہے ہیں اور ان کے پاس کمخواب و زربفت کے درجنوں سوٹ الماریوں کی آرائش بنے ہوئے ہیں۔ کسان ہل میں اونٹ کے ساتھ گدھا جوتنے پر مجبور ہو رہا ہے اور ان کے تھانوں پر ناگوری بیلوں کے رسالے یوں ہی بندھے ہوئے ہیں۔ کیا اہل سرمایہ کو ان تمام آرائشی اور زائد از ضرورت املاک پر قابض ہونے کا حق حاصل ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ ہرگز نہیں۔ سنو اللہ کا ازلی اور اٹل فیصلہ

یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو۔

اے رسول لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ مالی قربانی کی حد کیا ہے ؟ انھیں کہہ دو ہر زائد از ضرورت چیز خدا و رسول کے سامنے پیش کرو۔

قرآن حکیم کے یہی وہ ازلی ، غیر متبدل ، محکم اور لازوال حقائق ہیں جنھوں نے مفکرین کے ہر طبقے سے خراج تحسین حاصل کیا ہے اور جنھوں نے اس کتاب عظیم کو تمام زمانوں کے لئے نسل انسانی کا رہبر بنا دیا ہے۔ وہ مالک العرش مستقبل کے پردوں سے ان طوفانوں کو دیکھ رہا تھا جو قلزم افکار کی گہرائیوں میں پرورش پا رہے تھے۔ وہ ان بجلیوں کی کڑک سن رہا تھا جو کاشانہ تہذیب پہ کل کو گرنے والی تھیں۔ وہ ان ہنگاموں کو بے حجاب دیکھ رہا تھا جنھوں نے انسانی گھرانے میں لاکھوں محشر بپا کرنے تھے۔ وہ ان فتنوں کو دیکھ رہا تھا جنھوں نے ابن آدم کا محاصرہ کرنا تھا۔ اس لئے اس نے ایسی ہدایات نافذ کیں کہ پیرو قرآن کو کہیں آنچ نہ آنے پائے۔ اور وہ ہر افتاد سے بچتا چلا جائے۔ سبحان اللہ ! کیسی مکمل اور شاندار کتاب ہے۔

پختہ ساز و حروف اوہرخام را

تازہ غوغائے دہدایام را

نم و آتش اندر شاخ تاک

درکف خاک از دم اوجان پاک

بحر و بر از زور طوفانش خراب

در پیام او شرار انقلاب

(اقبال بہ ترمیم)

ہاں ! تو ہم عرض یہ کر رہے تھے کہ اقوال رسول اڑھائی سو برس تک کروڑوں زبانوں پہ گھومتے رہے۔ کہیں مجبوراً اضافے ہوئے اور کہیں عمداً۔ کہیں حافظے سے اتر گئے اور کہیں انسانی اقوال حضورؐ کی طرف منسوب ہو گئے۔ اور جب امام بخاری کا زمانہ آیا تو ان کی تعداد چودہ لاکھ سے متجاوز ہو چکی تھی۔

دوم آسان اسلام قرآن کا اسلام بڑا مشکل اسلام ہے۔ یہاں جان و مال کی قربانی کرنا پڑتی ہے۔ مسلمان اللہ کا سپاہی ہے۔ جس کا کام ہر زمانے اور ہر مقام پر باطل کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ پیٹ پر پتھر باندھ کر لڑنا ہے۔ تلواروں کی جھنکاروں میں نعرہ تکبیر بلند کرنا ہے۔ شمشیر کے سائے میں جنت ڈھونڈنا ہے۔ ہر مصیبت، ہر چوٹ اور ہر افتاد کو مردانہ وار سہنا ہے۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بلیان مرصوص (قرآن)

اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے فرمان کی تعمیل میں یوں جم کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں

نفس پرستوں نے جب دیکھا کہ یہ اسلام تو ذرا کرخت سا اسلام ہے تو انھوں نے جھٹ ایک نیا اسلام گھڑ لیا۔ جس میں نہ میدان جہاد میں جانے کی ضرورت ، نہ تکالیف برداشت کرنے کی حاجت۔ اور نہ مالی قربانی کا کوئی جھمیلا۔ قرآن کہتا ہے کہ تلوار کی محبت ایمان ہے۔

افحسبتم ان تد خلوا الجنتہ ولما یعلم اللہ الذین جاھد و منکم و یعلم الصابرین (قرآن)

کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ تم سیدھے جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ حالانکہ اللہ کو اب تک معلوم نہیں ہوا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور جنگ کی تکالیف برداشت کرنے والے کون۔

ایک حدیث کہتی ہے کہ بلی سے محبت کرنا ایمان ہے ۔

[7]**حب الھرۃ من الایمان**بلی سے محبت ایمان ہے۔

(حدیث المقاصد سخاوی)

اللہ کی راہ میں شہید ہونے سے تو صرف جنت ملتی ہے لیکن حدیث میں ایسا نسخہ بھی موجود ہے جس سے ستر انبیاء کے اعمال کا اجر حاصل ہو سکتا۔

[8]**من تعلم بابامن العم لیعلم الناس ابتغاء وجہ اللہ اعطاہ اللہ اجر سبعین نبیاً**

جو شخص کسی طالب علم کو کسی کتاب کا ایک باب ہی فی سبیل اللہ پڑھا دے تو اللہ اسے ستر انبیاء کا اجر عطا کرتا ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آسمانوں کے تمام فرشتے تسبیح و تہلیل کا ثواب آپ کے حوالے کر دیا کریں تو لیجئے یہ گُر پلے باندھ لیجئے۔

[9]**مامن عبد لم تقطرمن خلال اصابعہ قطرۃ الاخلق اللہ ملکاً یسبح للہ بسبعین لسانا یکون ثواب ذالک التسبیح لہ الی یوم القیامۃ**

---

[7] الماقصد میں علامہ شمس الدین سخاوی اس حدیث کو وضعی قرار دیتے ہیں۔

[8] ذکرۃ الموضوعات صفحہ 18 میں ہے کہ محمد طاہر نے اس حدیث کو جھوٹا قرار دیا ہے۔

[9] تذکرۃ الموضوعات صفحہ 19 میں اس حدیث کو وضعی قرار دیا گیا ہے۔

جب کوئی آدمی وضو کرتے وقت پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرتا ہے تو پانی کے ہر قطرے پر اللہ ایک فرشتہ پیدا کر دیتا ہے جو ستر زبانوں میں اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہے اور اس تسبیح کا ثواب قیامت تک اس آدمی کو پہنچتا رہتا ہے۔

اس سے بھی آسان نسخہ لیجئے۔

[10]**من کتب بسم اللہ الرحمن الرحیم فجودہ تعظیما للہ غفرلہ** (حدیث)

جو شخص اللہ کی خاطر بسم اللہ الرحمن الرحیم کو خوش خط لکھے اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

نہ صرف کود جنت میں جانے بلکہ دوسروں کو بھی وہاں لے جانے کا گُر حاضر ہے۔

[11]**من اذن سنتہ من نیتہ صادقۃ یحشر یوم القیامۃ فیوقف علی باب الجنۃ فیقال لہ اشفع منن شیت** (حدیث)

جو شخص سال بھر کسی مسجد میں سچی نیت سے اذان دیتا رہے وہ قیامت کے دن جنت کے دروازے پہ کھڑا ہو جائے گا۔ اور اسے اختیارات دئیے جائیں گے کہ جس شخص کی چاہے شفاعت کرے۔

مطلب یہ کہ مسجد کے "بانگے" کو کبھی کبھار کچھ کھلا دیا کرو۔ قیامت کے دن قطعاً کوئی نہیں پوچھے گا اور آپ اس کی شفاعت پر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ کس مسلمان کا جی نہیں چاہتا کہ وہ حج کرے۔ لیکن اتنا

---

10 امام سیوطی نے اسے وضعی قرار دیا ہے۔ تذکرۃ الموضوعات ص 20

11 موضوع ۔ تذکرۃ الموضوعات ص 36

خرچ اور سفر کون برداشت کرے۔ لیجئے گھر بیٹھے بیٹھے حج کر لیجئے۔ وہ بھی ایک نہیں ، دو نہیں بلکہ پورے پچاس ۔

[12]من صلی الفجر فی جماعۃ فکا نما حج خمسین حجۃ مع آدم

جس شخص نے فجر کی نماز با جماعت ادا کی اس نے گویا حضرت آدم کے ساتھ پچاس مرتبہ حج کیا۔

اگر آپ زندگی میں دو چار ہزار بڑے بڑے گناہ کر چکے ہیں تو انھیں معاف کرانے کا طریقہ ہم بتلائے دیتے ہیں۔

[13]من قال لا الہ الااللہ و مدھا مت لہ اربعۃ الاف من الکبائر

جو شخص لمبی سُر کے ساتھ ایک مرتبہ کلمہ پڑھے اس کے چار ہزار بڑے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

بڑے شوق سے گناہ کئے جائیں۔ زنا کیجئے ، شراب پیجیے، جوا کھیلیے، ڈاکے ڈالئے، جیبیں کاٹیے، تالے توڑیے، اور جھوٹ بولئے۔ اور جب بیس پچیس برس بعد جرائم کی تعداد چار ہزار تک پہنچ جائے تو "ماہیا" کے سُر میں ایک مرتبہ کلمہ پڑھ دیجئے اور مزے اڑائیے۔ اس کی بھی ضرورت نہیں ، یہ امت ہے ہی بخشی بخشائی۔ اس کا گناہ ، گناہ ہی نہیں۔

[14]ان امتی امتہ مرحومۃ لا عذاب علیھا فی الاٰ خرۃ

---

[12] یہ حدیث عبداللہ بن احمد کے مجموعہ احادیث سے لی گئی ہے۔ جسے غلط اور محرف سمجھا جاتا ہے۔

[13] یہ حدیث نعیم کذاب نے تراشی تھی۔ (تذکرۃ الموضوعات ص 55)

[14] موضوع ہے ۔ (تذکرہ الموضوعات صفحہ 92)

رسول اللہ فرماتے ہیں کہ میری یہ امت بخشی بخشائی ہے ۔ اسے قیامت کے دن عذاب نہیں ملے گا۔

سوم طریقت مشکل اسلام سے بھاگنے والوں کے کئی گروہ تھے۔ جن میں پیر بھی شامل تھا۔ پیر نے جہاد سے جان چھڑانے کے لئے اپنے ھُو حق کے نعروں کو جہاد بنا لیا اور اپنے مسلک پہ احادیث گھڑنا شروع کر دیں۔ مثلاً

[15]عن حذیفۃ قال سئالت لنبی عن علم الباطن فقال سئالت جبریل عنہ فقال سرر بینی و بین احبائی و لیائی و اصفیائی اودعہ فی قلوبھم لایطلع علیہ ملک مقرب و ولا نبی ولا نبی مرسل۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ علم باطن کیا چیز ہے ؟ حضور نے فرمایا کہ یہی سوال میں نے جبریل سے پوچھا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ ایک راز ہے جسے صرف اللہ اور اسکے چند اولیاء و اصفیا جانتے ہیں۔ نہ کوئی فرشتہ اس راز سے آگاہ ہے اور نہ کوئی پیغمبر۔

ایک دن شکار کھیلتے کھیلتے میں ایک مزار کے قریب جا گزرا، وہاں ایک گھنے درخت کے نیچے ایک ملنگ بھنگ رگڑ رہا تھا۔ باتوں باتوں میں کہنے لگا کہ ہمارے علم سے پیغمبر بھی بے خبر ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ وہ حدیث بیان کر رہا تھا۔

---

[15] ابن حجر اس حدیث کو جھوٹا سمجھتے ہیں ۔ (تذکرہ الموضوعات صفحہ 18)

کبڑی سے کسی نے پوچھا کہ کیا چاہتی ہو ؟ اچھی ہو جائے یا سارا جہان تیری طرح بن جائے؟ کہا دوسری بات۔ چونکہ ان پیروں اور فقیروں کی اکثریت دنیوی املاک و امتعہ سے محروم ہوا کرتی تھی۔ انھوں نے دوسروں کو بھی اپنے جیسا بنانے کے لئے حدیثیں تراشیں اور ایک ایک تسبیح پر اتنی نیکیاں تقسیم کیں کہ تمام عالم کے ریاضی دان مل کر بھی انھیں نہ گن سکیں۔

[16]**لو یعلم الامیر مالہ فی ذکراللہ لترک امارتہ ولو ان ثواب تسبیحہ قسم علیٰ اھل الارض لاصاب کل واحدہ منھم عشرۃ اضاعف الدنیا۔**

اگر ایک بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ ذکر خدا میں کتنا لطف ہے تو وہ سلطنت چھوڑ دے۔ اور اگر اس کی ایک تسبیح کا ثواب تمام دنیا پر تقسیم کر دیا جائے تو ہر شخص کے حصے میں کائنات عالم کی تعداد سے دس گناہ زیادہ نیکیاں آئیں۔

چہارم شاہوں کی خوشامد

سرور کائنات صلعم کی رحلت کے چند سال بعد امیر معاویہ اور حضرت علی کا جھگڑا شروع ہو گیا تھا۔ حضرت علی اولی الامر اور خلیفہ رسول تھے۔ قرآن کے سچے عامل اور رسول کے صحیح پیرو تھے۔ اولی الامر کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن معاویہ نے بغاوت کی اور اسلام میں لا انتہا مفاسد کا دروازہ کھول دیا۔ معاویہ کا یہ جرم قابل ستائش نہ تھا۔ لیکن ان کے مداحوں نے ان کی تعریف میں بھی احادیث تراشیں۔

---

16 ابو داؤد نخفی کی وضع کردہ (تذکرہ الموضوعات صفحہ 55)

[17]قال رسول اللہ صلعم انت منی یا معاویہ و انامنک

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ اے معاویہ! تو میرا ہے میں تیرا۔

اس کے جواب میں حضرت علی کے کسی محب نے یہ حدیث وضع کر لی۔

[18]انا مدینۃ العلم و علی بابھا

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

علی کرم اللہ وجہہ کا ایک اور پیارا بول اٹھا

[19]لکل امۃ فرعون و فرعون ھذہ الامۃ معاویۃ بن ابی سفیان

ہر قوم کا ایک فرعون ہوا کرتا ہے اور اس قوم کا فرعون معاویہ بن ابی سفیان ہے

چونکہ معاویہ کا پایہ تخت شام میں تھا۔ آپ کے ایک درباری نے شام کی تعریف میں یہ حدیث تیار کر ڈالی۔

[20]قال رسول اللہ صلعم الشام صفوۃ اللہ من بلادہ

رسول اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا کا منتخب ترین ملک، ملک شام ہے۔

---

[17] یہ حدیث جھوٹی ہے ۔ (تذکرۃ الموضوعات صفحہ100)

[18] ترمذی کے ہاں یہ حدیث وضعی ہے ۔ (تذکرۃ الموضوعات صفحہ96)

[19] جھوٹی حدیث ہے ۔ (تذکرۃ الموضوعات صفحہ100)

[20] علامہ سخاوی کے ہاں یہ حدیث جھوٹی ہے۔ (المقاصد) (تذکرۃ الموضوعات صفحہ100)

دور امیہ کے بعد عباسیہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ ان کے مداحوں نے ان کی تعریف میں احادیث تراشنا شروع کر دیں۔ مثلاً

[21]قال رسول اللہ للعباس اذا کانت سنۃ خمسہ و ثلاثین و مائۃ فالخلافۃ لک ولولدک منھم السفاح و المنصور و المھدی

رسول اکرم نے حضرت عباس کو فرمایا کہ 135ھ میں خلافت تمھاری اولاد میں منتقل ہو جائے گی اور تیرے بچوں میں سے سفاح، منصور اور مہدی خلیفہ ہوں گے۔

خلفائے عباسیہ132ھ میں برسراقتدار ہوئے نہ کہ 135ھ پھر ان کی تعداد 37 تھی۔ جن میں مشہور ترین ہارون و مامون تھے۔ لیکن یہ حدیث تراش تین ابتدائی خلفا کے بغیر کوئی اور نام نہ بتا سکا۔ اس لئے کہ وہ خود خلیفہ مہدی کے زمانے کا آدمی ہو گا۔ اور اس کی غیب دانی مہدی سے آگے نہ چل سکتی ہو گی۔

کہتے ہیں کہ ہارون الرشید کو کبوتر پالنے کا بہت شوق تھا۔ بادشاہ کو کسی چیز کا شوق ہو اور اس پر کوئی حدیث نہ آئے۔ یہ کیسے ممکن ہے ، چنانچہ حدیث تیار ہوئی۔

ان رسول اللہ صلعم کان یطیر الحمام

رسول اللہ صلعم کبوتر اڑایا کرتے تھے۔

جب شاہی دربار سے نکالے ہوئے کسی جعلساز تک یہ حدیث پہنچی تو اس نے جواب میں حدیث ذیل تراش لی۔

---

[21] موضوع ہے۔(تذکرۃ الموضوعات صفحہ100)

قال رسول اللہ صلعم ان اللعب بالحمام من عمل قوم لوط۔

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ کبوتروں سے کھیلنا قوم لوط کا کام تھا۔

(تذکرۃ الموضوعات صفحہ55)

یہود گؤ سالہ پرست تھے۔ یہ کسی یہود یا ہندو ہی کی کارستانی معلوم ہوتی ہے کہ گائے کی تقدیس پر حدیث تیار کرالی۔

[22]اکرموا البقر فانھا سیدۃ البھائم۔ مارفعت طرفھا الی السماء منذ عبدالعجل

گائے کی تعظیم کرو۔ اس لئے کہ یہ مویشیوں کی سردار ہے۔ اور جب سے یہود یوں نے (موسیٰ کے زمانہ میں) بچھڑے کی پوجا کی تھی یہ بیچاری شرم سے آسمان کی طرف سر نہ اٹھا سکی۔

مطلب یہ ہے کہ ہر گائے تاریخ کی ماہر ہوا کرتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سامری نے سونے کا گؤسالہ تیار کیا تھا جس کی یہود نے پرستش شروع کر دی تھی۔گناہ یہود نے کیا تھا مگر شرم گائے کو آ رہی ہے۔ اور شرم بھی اتنی کہ سر تک نہیں اٹھا سکتی۔ ورنہ اس واقعہ سے پہلے گائے کا سر ہمیشہ آسمانوں کی طرف رہا کرتا تھا۔

یہ تو ہوں گے کوئی یہود کے دوست۔ اب ایک ایسے بزرگ کی حدیث سنیئے۔ جو یہود کو برداشت ہی نہیں کر سکتے۔

قال رسول اللہ صلعم من لم یکن عندہ صدقۃ فلیلعن الیھود۔

---

[22] علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔

جس شخص کے پاس صدقہ کے لئے کوئی چیز نہ ہو وہ یہودیوں کو گالیاں دے لیا کرے یہی اس کا صدقہ ہے۔

(تذکرۃ الموضوعات ص 14)

یہ مفسد تو حدیث گھڑ کر جہنم میں چلا گیا لیکن اس کے نتائج آج فلسطین کے عرب بھگت رہے ہیں۔ جن یہودیوں کو گالی دینا ہماری تعلیمات کا جزو ہے وہ آج ہم پر رحم کیوں کھائیں۔ اگر وہ عربی سلطنتوں پر بم برساتے ہیں تو وہ کسی حد تک بجانب ہیں۔ جب ہم انھیں نجس، ملعون، کشتنی و سوختنی قرار دیتے ہیں تو وہ ہمیں جواباً کیوں ایسا نہ سمجھیں۔

پنجم فرقہ پرستی حضرت علی کی زندگی ہی میں دو نئے گروہ پیدا ہو گئے تھے ۔ روافض جو حضرت علی کے حامی تھی اور خوارج جو مخالف تھے۔ جوں جوں زمانہ نکلتا گیا۔ اسلامی فرقوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اور نئے نئے اختلافات پیدا ہوتے گئے۔ ان میں سے تقریباً ہر فرقے نے اپنے اپنے عقائد کی تائید اور دوسرے فرقے کی تردید میں احادیث وضع کیں۔ مثلاً شمس الدین سخاوی نے المقاصد میں یہ حدیث درج کی ہے۔

قال رسول اللہ صلعم القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ ان مرضوافلا تعودو ھ و ان ما توافلا تشھ نھم

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ قدریہ[23] اس امت کے مجوسی ہیں۔ بیمار ہوں تو عیادت پر نہ جاؤ۔ اور مر جائیں تو جنازہ نہ پڑھو۔

اور لطف یہ کہ ہمارے بڑے بڑے امام ان جعلسازوں کے بھرے میں آ گئے۔ چنانچہ ترمذی نے عباس کی روایت سے ابن ماجہ نے جابر اور طبرانی نے "الاوسط" میں ابو سعید کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

صنفان من امتی لیس لهما نصیب فی الاسلام القدرية و المرجية

حضور فرماتے ہیں کہ میری امت کے دو فرقوں کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور وہ ہیں ودریہ اور مرجیہ[24]۔

علامہ محمد طاہر اس حدیث کے وضعی ہونے پہ کئی دلائل پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الموضوعات ص 15۔

فلاسفہ یونان کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ اللہ نے صرف ایک چیز پیدا کی۔ یعنی عقل اول۔ عقل اول نے فلک اول اور عقل دوم کو پیدا کیا۔ عقل دوم نے فلک دوم و عقل سوم۔ اور یہ سلسلہ عقل دہم تک جا پہنچا۔ جس نےساری کائنات پیدا کی۔

---

[23] قدریہ: نظام معتزلہ کے پیروکار تھے جو جبر کے منکر تھے اور انسان کو افعال میں خود مختار سمجھتے تھے۔ (الملل و النحل۔ شہرستانی)

[24] مرجیہ: حسن بن محمد حنفیہ کے پیرو۔ جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان صرف زبانی اقرار کا نام ہے۔ زبانی اقرار کے بعد ہر شخص جنت میں جائے گا۔ خواہ نیک عمل کرے یا نہ کرے ۔ (الفرق الاسلامیہ)

جب عہد مامون میں فلسفہ یونان اسلام میں داخل ہوا اور ہمارے ہاں بھی فلسفی پیدا ہونے لگے جن کی شکلیں اسلامی تھیں اور روح یونانی تو اس فلسفہ ی تائید میں بھی احادیث آنے لگیں۔ مثلاً

[25]قال رسول اللہ صلعم اول ماخلق اللہ العقل۔

فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ سب سے پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ عقل ہے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں ، عہد عباسیہ میں فلسفہ یونان اسلام پہ چھا رہا تھا۔ اور ہمارے فلاسفہ و متکلمین ہر چیز کو میزان عقل میں تولنے کے خوگر ہو چکے تھے۔ ہمارے بعض ائمہ کا خیال تھا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ چونکہ کلام اللہ کا وصف ہے۔ اور اللہ کا ہر وصف اللہ کی طرح قدیم ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن مخلوق نہیں۔ بلکہ قدیم ہے۔ فلاسفہ کی سمجھ میں یہ بات کیسے آتی۔ انھوں نے قدامت قرآن سے انکار کر دیا۔ اور مامون نے ان کی تائید کر دی۔ دوسری طرف امام احمد بن حنبل (وفات 240ھ) قدامت قرآن کے قائل تھے۔ شاہ و فقیر میں ٹھن گئی۔ اور ابن حنبل کو بےشمار تکالیف کا شکار ہونا پڑا۔ اس سلسلے میں امام کی تائید میں کافی احادیث تیار ہوئیں۔ مثلاً

[26]قال رسول اللہ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق فمن قال غیر ھذا فاقتلوہ من قال القرآن مخلوق فقد کفر۔

حضور فرماتے ہیں کہ قرآن غیر مخلوق (قدیم)ہے۔ جو اسے مخلوق کہے اسے مار ڈالو۔

---

[25] علامہ سخاوی اس حدیث کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ (تذکرۃ الموضوعات ص 28)

[26] علامہ الصغانی کے ہاں یہ حدیث وضعی ہے ۔ (تذکرۃ الموضوعات)

بات سیدھی سی تھی جس پر پوری طرح غور نہ کیا گیا۔ چیزیں دو تھیں۔ وصف کلام اور کلام۔ گفتگو کی اہلیت یا وصف الگ چیز ہے۔ اور گفتگو کرنا الگ چیز۔ ہر آدمی وصف کلام (گفتگو کی اہلیت) کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن وہ مضامین ، اشعار اور کتابیں بعد میں لکھتا ہے۔ وصف کلام پیدائشی ہے اور کلام یا نتائج کلام بعد کی پیداوار۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وصف کلام اللہ کی طرح قدیم ہے لیکن نتائج کلام (موسیٰ سے کلام ، تورات ، انجیل قرآن وغیرہ) بعد کی پیداوار ہیں۔ اور اس لئے حادث ہیں۔ پیروان علی کو عرف عام میں شیعہ یا رافضی کہا جاتا ہے۔ یہ فرقہ عہد علیؓ کی پیداوار ہے۔ اس کے متعلق بھی چند احادیث وضع ہوئیں۔ مثلاً

[27]**اخبر نی جبریل ان قوما ینتقعون اصحابی و یذکرونھم بالقبیح مالھم فی الاسلام نصیب۔ قلنا یارسول اللہ ماساء ھم۔ قال الرافضۃ الذین رفضوا دینی۔**

مجھے جبریل نے بتایا کہ عنقریب ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گا جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہے گا۔ اور اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ ہم نے پوچھا اے رسول اللہ! اس کا نام کیا ہے ۔ فرمایا۔ رافضہ جو میرے دین کو چھوڑ جائیں گے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوؤں کو سب سے پہلے محمود غزنوی نے ہندو کہا تھا۔ ورنہ پہلے یہ آریہ کہلاتے تھے۔ ہندوؤں کی کسی مذہبی کتاب میں "ہندو" کا لفظ موجود نہیں۔ اور نہ غزنوی سے پہلے ہندو اہل ہند کے معنوں میں کہیں بھی مستعمل ہوتا تھا۔ ہندو کے لفظی معنی ہیں "کالا ، غلام اور چور" چونکہ غزنوی کے خیال میں یہ ہرسہ صفات آریاؤں

---

[27] ابن الجوزی کے ہاں یہ حدیث جعلی ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص 99)

میں موجود تھیں اس لئے اس نے انھیں ہندو کہہ دیا۔ اور یہ لفظ چل نکلا۔ لیکن ہمارے بزرگوں کا کمال دیکھئے کہ انھوں نے ایک حدیث میں "ہندو" کا لفظ بھی استعمال کر دیا۔ حالانکہ یہ لفظ (اہل ہند کے معنوں میں) چار سو سال بعد کی ایجاد ہے۔

اتقواالیھود و الھنود[28]

یہودیوں اور ہندوؤں (ہنود کا مفرد ہندو) سے بچو۔

امام ابو حنیفہ (80ھ – 150ھ) اور امام شافعی (150ھ – 204ھ) بعض اجتہادی مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کے پیرو بھی دو گروہوں میں بٹ گئے۔ اور ایک دوسرے کی تحقیرو تذلیل پر اتر آئے۔ امام ابو حنیفہ کے کسی پیرو نے اس سلسلے میں چند احادیث بھی وضع کیں۔

قال رسول اللہ صلعم سراج امتی ابو حنیفہ[29]

رسول خدا صلعم فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ میری امت کا چراغ ہے۔

احادیث تراشی کا یہ سلسلہ امام ابو حنیفہ کی تعریف تک ہی محدود نہیں رہا۔ بلکہ ان بدبختوں نے تہذیب و شرافت کا لبادہ اتار کر حضرت امام شافعی جیسے عظیم المرتبت مجتہد کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اور گالیوں کو حضورؐ والا صفات کی طرف منسوب کر دیا۔

---

[28] ملاحظہ ہو کلیات آریہ مسافر پنڈت لیکھرام۔

[29] امام سیوطی اس حدیث کی صحت سے منکر ہیں۔ (لآلی سیوطی)

[30]عن انس قال رسول اللہ صلعم سیکون من امتی رجل یقال لہ محمد بن ادریس افر علی امتی من ابلیس۔

حضرت انس رسول صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ عنقریب میری امت میں ایک ایسا شخص آئے گا جس کا نام ہو گا محمد ادریس (الشافعی) اور جو میری امت کے لئے شیطان سے بڑھ کر نقصان رساں ثابت ہو گا۔ (جامع الاصول)

ششم امتیاز رنگ و نسب اسلام کا سب سے بڑا مشن رنگ و نسب کے امتیازات کو مٹانا ہے۔ ایرانی و زنگی کا فرق اٹھانا ہے۔ اور انسانی گھرانے میں مکمل مساوات قائم کرنا تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں بار بار کہا گیا کہ تم ایک ایک باپ یعنی آدم کے بیٹے ہو۔ تمھارا معبود ایک ہے ، قبلہ ایک ، منزل ایک، لائحہ عمل ایک اور میدان عمل ایک ہے۔ تم سب کائنات کے خادم ہو۔ اور تمھارا رسول سارے جہان کے لئے رحمت۔ تم سب سے محبت کرو۔ ان کی کتابوں اور رسولوں پہ ایمان لاؤ۔ کسی کو برا نہ کہو۔ اور کشت آدم پر سدا رحمت بن کر برستے رہو۔لیکن بھلا نہ ہو ہمارے ملا کا۔ اس نے سرور کائنات کے مشن کو ناکام بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ ایرانی و عربی جھگڑے اٹھائے۔ زنگی و تورانی کے فتنے کھڑے کئے۔ بھائی کو بھائی سے لڑایا۔ اور مسلمان کو ایک تنگ نظر ، متعصب، کج دماغ اور موذی قسم کا مذہب دیوانہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔

---

[30] محمد بن طاہر نے اس حدیث کو جعلی قرار دیا ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص 11)

اس میں کلام نہیں کہ البرامکہ کے عہد وزارت میں ایرانی اقتدار بہت بڑھ گیا تھا لیکن آخر وہ بھی مسلمان تھے۔ بے حد قابل تھے۔ ان کے مفکر دنیائے افکار میں انقلاب اٹھا رہے تھے۔ ان کے منجم آسمان کی باتیں اہل زمین کو سنا رہے تھے۔ ان کے فلاسفہ حقائق زندگی کو بے حجاب کر رہے تھے۔ ان کے اہل قلم عربی ادب میں نئی روح بھر رہے تھے۔ ان کے سیاست دان نظام سلطنت کو حیات نو عطا کر رہے تھے۔ اگر وہ اپنی ذہنی صلاحیت، زور قلم، شاندار فلسفہ اور بے پناہ علوم و فنون کی بدولت مزاج شاہی میں راہ پا گئے تھے تو عربوں کو خوش ہونا چاہیے تھا کہ ان کا لگایا ہوا پودا آج رشک چمن بن کر ایک دنیا کو دعوت نظارہ دے رہا ہے۔ نہ کہ ناخوش۔ لیکن چونکہ ملا کسی دور میں بھی حقائق کو نہ دیکھ سکا اور نہ سمجھ سکا اس لئے اس نے تمیز نسل و رنگ کے دبے ہوئے فتنوں کو پھر جگانے کی کوشش کی۔

قال رسول اللہ صلعم البغض الکلام الی اللہ الفارسیۃ کلام الشیطان الخوزیہ و کلام اھل النار البخاریہ و کلام اھل الجنۃ العربیہ

حضور فرماتے ہیں کہ اللہ کو سب سے زیادہ نفرت فارسی سے ہے ۔ خوزیہ (خوزستان کی زبان) شیطان کی زبان ہے۔ بخارا کی بولی دوزخیوں کی بولی ہے۔ اور اہل جنت عربی میں گفتگو کیا کریں گے۔

اب ذرا ان جعلسازوں کی نوازشات اہل افریقہ پر ملاحظہ کیجئے۔

الزنحیی اذا شبع زنیٰ و ان جا ع سرق[31]

[31] ائمہ فن نے اس مضمون کی تمام احادیث کو وضعی قرار دیا ہے ۔ (تذکرۃ الموضوعات ص 63) ۔ عرب کے بغیر سارا جہان عجم کہلاتا ہے لیکن اصطلاحاً اس سے مراد صرف ایران ہے۔

حبشی (حبشہ کا رہنے والا) کا پیٹ بھر جائے تو وہ زنا کرتا ہے اور اگر بھوکا ہو تو چور بن جاتا ہے۔

شہر یار مدینہ کے پیارے موذن سیدنا بلال (حبشہ کے رہنے والے) اس حدیث کو سن پاتے تو کیا کہتے۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا کہیے

ناطقہ سربگریباں یہاں کہ اسے کیا کہیے

(غالب)

ہفتم مُلا در محدحِ خوومیگویدحضورؐ کا قول ہے کہ میرے بعد خیر کم ہوتا جائے گا اور شر بڑھتا جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک ایسا زمانہ آ جائے گا کہ جب

و علماءھم شرمن تحت ادیم السماء

اس امت کے مُلا خیمہ افلاک کے نیچے بدترین مخلوق تصور ہوں گے۔

جب ہمارے ملاؤں نے دیکھا کہ کچھ اس قول کی وجہ سے اور کچھ اپنی نالائقی ، تنگ نظری، کج دماغی اور اندھے تعصب کی بنا پر ان کی منزلت ہر جگہ کم ہو رہی ہے تو انھوں نے اپنے ڈوبتے ہوئے سفینے کو بچانے کے لئے احادیث تراشنا شروع کر دیں۔

اپنی زیارت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں[32] ۔

---

[32] اس عنوان کے تحت دی ہوئی تمام احادیث ائمہ فن کے ہاں جھوٹی ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (تذکرۃ الموضوعات)

قال رسول صلعم من زار العلما کانما زار فی من سافح العلماء کانما صافحنی

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی عالم کی زیارت کی گویا میری زیارت کی اور جس نے کسی عالم سے ہاتھ سے ہاتھ ملایا گویا مجھ سے ہاتھ ملایا۔

اپنی مجلسوں کو پر رونق بنانے کے لئے عوام کو یوں چکمہ دیا۔

حضور مجلس عالم افضل من صلوۃ الفا رکعۃ و عبادۃ الف مریض و شھود الف جنازۃ

حضور فرماتے ہیں کہ کسی عالم کی مجلس میں حاضری بھرنا ہزار رکعت نماز ، ہزار مریضوں کی عیادت اور ہزار جنازوں میں شامل ہونے سے بہتر ہے۔

مُلا کو خطرہ تھا کہ کہیں منصب قیادت سے محروم نہ ہو جائے اس لئے وہ نبی بن بیٹھا، کہ لوگ اس کی منزلت کو کتنا ہی کم کر لیں، آخر اسے مذہبی رہنما تو تسلیم کریں گے۔

علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل۔

میری امت کے عالم انبیائے بنی اسرائیل (یعنی موسیٰؑ و عیسیٰؑ وغیرہ) سے کم نہیں۔

الشیخ فی قومہ کالنبی دی امتہ

ایک ملا کو اپنی قوم میں وہی مقام حاصل ہے جو ایک نبی کو اپنی امت میں۔

اللہ کے ہاں شہادت بلند ترین اعزاز ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ اس لئے کہ یہ نعمت کسی چال سے نہیں، دولت سے نہیں ، سفارش سے نہیں، عمر بھر کی عبادت سے نہیں، مساجد بنوانے اور چاہ کھدوانے سے نہیں۔ بلکہ اللہ کی راہ میں سر دے کر موت کے گرجتے ہوئے طوفان سے الجھ کر جنگ کے لپکتے ہوئے شعلوں میں کود کر اور دھاڑتی ہوئی توپوں کے دہانوں میں داخل ہو کر حاصل کی جاتی ہے۔ اور جو جنس جس قدر بھاری قیمت دے کر خریدی جائے وہ لازماً قیمتی ہونی چاہیے۔ اسی لئے تو حضور فرمایا کرتے تھے۔

"میری آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں۔ پھر زندگی ملے ، پھر شہید ہو جاؤں ۔ سہ بارہ زندگی ملے اور سہ بارہ شہادت حاصل کروں۔ (بخاری)

حضرت خالد بن ولیدؓ کا آخری وقت قریب آیا تو رو کر کہنے لگے

"کئی جنگوں میں شامل ہوا، پورے ایک سو زخم جسم پہ کھائے اور پھر بھی اللہ نے مجھے شہادت سے محروم رکھا" ہر صحابی نماز کے بعد دعا کیا کرتا تھا کہ "اے اللہ! میری اس فانی زندگی کا انجام شہادت ہو"

ہمارے مُلا نے جب دیکھا کہ یہ میدان جنگ والی شہادت تو سر دے کر میسر آتی ہے تو اس نے شہادت کے نہایت آسان نسخے ڈھونڈ لئے۔ مثلاً

مداد العلماء افضل من دم الشهداء

عالم کی سیاہی شہید کے لہو سے افضل ہے۔

اس سے پہلے تو ہمارے سہل پسند کہا کرتے تھے

لہو لگا کے شہیدوں میں نام کر لیں گے۔

لیکن اب یہ کام سہل تر ہو گیا۔ مسجد میں گئے۔ ملا کی دوات سے سیاہی نکال کر منہ پر مل لی اور شہید بن گئے۔

مُلا۔ ڈاڑھی ۔ مسواک۔ حلوا ۔ مرغا۔ ضیافت اور صدقہ لازم و ملزوم ہیں۔ ان لوازمات کے بغیر ہم ملا کا تصور ہی نہیں کر سکتے۔ خطرہ تھا کہ کہیں آپ مرغ و حلوہ پکا کر خود ہی نہ کھا جائیں۔ اس لئے حضرت مولانا نے ان "اہم مسائل" پر کئی احادیث پیش فرمائیں۔

مسواک

السواک یزید الرجل فصلحۃ

رسول اللہ فرماتے ہیں کہ مسواک سے فصاحت بڑھتی ہے۔

چونکہ فصیح کلام منہ سے نکلتا ہے اور مسواک بھی منہ میں کیا جاتا ہے اس لئے مولانا اس "سائنٹفک" نتیجے پر پہنچے کہ مسواک اور فصاحت و بلاغت کا ضرور کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔

ڈاڑھی

اعتبرو اعقل الرجل فی طول لحیتہ

ڈاڑھی جتنی لمبی ہو عقل اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔

گو ڈاڑھی منہ پر ہوتی ہے اور عقل کا مرکز دماغ۔ لیکن مولانا کا خیال یہ ہے کہ اس کھیتی کو عقل کے چشمے سے پانی ملتا ہے اس لئے عقل کے چشمے میں جتنا زیادہ پانی ہو گا ، ڈاڑھی اتنی ہی لمبی ہوتی جائے گی۔

اسی قسم کی ایک اور حدیث ہے کہ

لادین لمن لا عقل لہ

جس کے پاس عقل نہیں، وہ بے دین ہے۔

عقل کا معیار ڈاڑھی ہے تو گویا ڈاڑھی منڈے سب کے سب احمق اور بے دین ٹھہرے۔ ان کے لئے جنت میں کوئی جگہ نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن ایک اور حدیث ہے کہ

اکثر اہل الجنۃ البلہ

جنت میں زیادہ تعداد احمقوں کی ہو گی۔

صدقہ

قال رسول اللہ صلعم او والزکوٰۃ و تحروبھا اہل العلم

حضور صلعم فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ علماء کو دیا کرو۔

حلوا

کان النبی یحب الحلوا و السعل

رسول اللہ صلعم کو حلوا اور شہد بہت پسند تھے۔

قلب المومن حلود یحب الحلاوۃ و من حرمہا علیٰ نفسہ فقد عصی اللہ و رسولہ

مومن کے دل میں مٹھا س ہوتی ہے اور اسی لئے وہ حلوے کو پسند کرتا ہے۔ جو شخص حلوہ نہیں کھائے گا وہ خدا اور رسول کا نافرمان شمار ہو گا۔

من لقم اخاہ لقمۃ حلوا صرف اللہ بہا عنہ حوارۃ الموقف یوم القیامۃ

جو شخص اپنے بھائی کو حلوے کا ایک لقمہ کھلا دے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے عرصہ محشر کی گرمی سے بچا لے گا۔

علیکم بالعسل والذی نفسی بیدہ مامن بیت فیہ عسل الاویستغفرلہ ملائکۃ ذالک البیت وان مات و ھوفی جوفہ لم تھن النار جلدہ

حضور فرماتے ہیں کہ شہد کھایا کرو۔ خدا کی قسم جس گھر میں شہد موجود ہو اس گھر کے فرشتے گھر والے کی مغفرت کے لئے سدا مصروف دعا رہتے ہیں اور اگر شہد کھانے کے بعد وہ مر جائے تو آگ اس کے جسم کو چھو نہیں سکتی۔

مرغا

الدیک الابیض صدیقی و صدیق جبریل۔ من اتخذ دیکا ابیض حفظ اللہ من شر شیطان و کاھن و ساحر

سفید مرغا میرا بھی دوست ہے اور میرے حبیب جبریل کا بھی۔ جو شخص سفید مرغا پالے گا اللہ تعالیٰ اسے شیطان ، کاہن اور جادوگر کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

کہتے ہیں کہ کالے رنگ کا مرغا گرم ہوتا ہے اور اسے کھانے سے پیچش کا ڈر رہتا ہے۔ اس لئے مولانا نے سفید مرغا پانے کی ہدایات نافذ فرمائیں۔

خضاب

ہمارے ملا عموماً ڈاڑھی کو خضاب لگایا کرتے ہیں۔ خضاب خریدنا اور لگانا کوئی آسان کام نہیں۔ کب کوئی آدمی مرے ۔ مُلا صاحب جنازے کی فیس وصول کریں۔ اس میں سے دو آنے بچا کر بازار جائیں۔ خضاب

لائیں۔ اسے گھولیں۔ لگائیں اور خشک ہوتے تک ایک مقام پر بندھے رہیں۔ خضاب لگاتے وقت اتنی منازل طے کرنا پڑتی تھیں۔ اس لئے مولانا نے اس نہایت مشکل کام کا صلہ بھی نہایت موزوں مقرر کیا ہے۔

نفقۃ الددھم فی سبیل اللہ بسبعماۃ و نفقۃ درھم فی خضاب بسبعۃ الاف

اللہ کی راہ میں ایک درہم خرچ کرنا سات سو درہم کے برابر ہے۔ لیکن خضاب پہ خرچ کیا ہوا ایک درہم سات ہزار کے برابر ہے۔

<u>حُسن پرستی</u>

کون ہے جو حسن پرست نہیں۔ لیکن مقیمان مسجد و مکتب میں یہ جذبہ ضرورت سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ مرغن ضیافتیں کھانے کے بعد جنسی میلان بڑھ جاتا ہے۔ اور ہوتے ہیں یہ لوگ عموماً مجرد۔ اور بظاہر پارسا۔ تسکین جنس کے وسائل نایاب و کمیاب۔ اس لئے یہ باتوں ہی سے دل کو خوش کر لیتے ہیں۔ احادیث ذیل ان ہی دبی ہوئی خواہشات کا نتیجہ ہیں۔

النظرالی المراۃ الحسنا یزید فی الصبر[33]

خوش شکل عورت کی طرف دیکھنے سےنظر بڑھ جاتی ہے۔

قال رسول اللہ صلعم علیکم بالوجوہ الملاح و الحدق السود فان اللہ یستحیی ان یعذب و جھا ملیحا بالنار

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ نمکین چہروں اور سیاہ آنکھوں سے محبت کیا کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی صحیح چہرے کو آگ کا عذاب نہیں دے گا۔

[33] سخاوی کے ہاں یہ دونوں احادیث وضعی ہیں ۔ (مقاصد۔ تذکرۃ الموضوعات ص 162)

ہشتم حقائق حیات عہد عباسیہ میں جب علم الحقائق مثلاً علم نباتات ، جمادات، ریاضیات، السنہ، افلاک وغیرہ اسلامی ادب میں راہ پانے لگا تو مُلا نے سوچا کہ کہیں یہ علمائے طبیعی بازی نہ لے جائیں۔ اس لئے اس نے بھی حقائق حیات پر اپنے مخصوص رنگ میں روشنی ڈالنی شروع کر دی۔ گلاب کے پھول کی ماہیت سے یوں پردہ اٹھاتے ہیں۔

ان الورد من عرق النبی صلی اللہ و علیہ وسلم ادمن عرق البراق[34]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ یا براق کا پسینہ زمین پر گرا اور گلاب کا پودا پیدا ہو گیا۔

کیا غضب کی تحقیق ہے۔ جی چاہتا ہے کہ علم نباتات کا سارا دفتر اٹھا کر اس جھوٹے کے سر پر دے ماریں۔ کوئی پوچھے کہ کیا حضور ؐ کی ولادت سے پہلے گلاب کا پودا دنیا میں موجود نہیں تھا۔ اگر نہیں تھا تو بقراط نے (جو ولادت مسیح سے بھی صدیوں پہلے تھے) اپنی کتابوں میں گلاب کے عرق اور پھول کا ذکر کیسے کر دیا۔ اور بحر الکاہل کے بعید ترین جزائر میں یہ پودا کیسے پیدا ہو گیا؟

گندم کے متعلق فرماتے ہیں

شرار امتی الذین یاکلون الحنطۃ[35]

میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو گندم کھاتے ہیں۔

---

[34] سخاوی کے ہاں یہ حدیث وضعی ہے ۔ (مقاصد۔ تذکرۃ الموضوعات ص 162)

[35] حدیث وضعی ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص 15) ۔

گندم نے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکلوایا تھا اس لئے اس ظالم غلے پہ مولانا کا غصہ برمحل ہے۔

قرآن حکیم میں ایک آیت ہے۔

و مآ ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ

ہم ہر نبی کو اس کی قوم کی زبان میں پیغام دیا کرتے ہیں۔

ہمارے مولانا اس کی یوں تشریح فرماتے ہیں۔

[36]قال رسول اللہ صلعم والذی نفسی بیدہ ما انزل اللہ من وحی قط علیٰ نبی الا بالعربی ثم یبلغ بلسان قومہ

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ہر نبی پر وحی عربی زبان میں اترتی تھی پھر وہ اسے اپنی زبان میں ڈھال کر قوم تک پہنچاتا تھا۔

مولانا نے یہ حدیث تراشنے سے پہلے دو مفروضے قائم کر لئے تھے۔

اول: کہ ہر نبی خواہ وہ چین میں آیا تھا یا ہند میں، عربی زبان کا ماہر ہوا کرتا تھا۔ ورنہ وحی کو سمجھتا کیسے؟

دوم: کہ عربی زبان تخلیق انسان کے ساتھ ساتھ چلی آتی ہے۔ حالانکہ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ عربی۔عبرانی۔آرامی۔فینقی۔آشوری اور دیگر سامی زبانیں ایک ایسی زبان سے نکلی تھیں جو مدت مدید سے مٹ چکی ہے۔ اس ابتدائی زبان کی قدیم ترین شاخیں عبرانی و آرامی تھیں۔ عربی ان

---

[36] علامہ محمد طاہر کہتے ہیں کہ سلیمان بن ارقم جیسا کذاب اس کا راوی ہے ۔ (تذکرۃ الموضوعات ص 114) ۔

سے بعد میں معروض وجود میں آئی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا آف برطانیکا۔ بر عنوان "سامی زبانیں"۔

تو جو زبان دنیا میں موجود ہی نہیں تھی اس میں آدمؑ و نوحؑ کی طرف وحی بھیجنے کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی تھی؟ کیا اللہ ان انبیاء کی زبانوں سے نا آشنا تھا؟ یا ان میں وحی بھیجنا اس کی توہین تھی؟

کوے کی دم میں ٹانکی کرن آفتاب کی

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی ! !

ماحصل ماحصل یہ کہ کہیں احادیث حافظہ سے اتر گئیں کہیں بادشاہوں کی خوشامد۔ اور نئے نئے عقائد کی تصدیق کے لئے احادیث وضع کی گئیں۔ کہیں نسلی بغض اس جرم کا محرک بنا کہیں جہاد سے جان چھڑانے ، اپنی شان بنانے اور مسلک طریقت کو اچھالنے کے لئے یہ حرکت کی گئی۔ اور رفتہ رفتہ احادیث کا وہ طور مار عظیم جمع ہو گیا کہ صحیح و غلط میں تمیز محال ہو گئی۔

سوال بعض حضرات کہتے ہیں کہ تم صحیح و غلط کی الجھن میں کیوں پڑے ہو ۔ جو حدیث قرآن کے مطابق ہے وہ لے لو اور باقی کو مسترد کر دو۔

جواب اس سوال کے کئی جواب ہیں۔ اول کہ جو حدیث قرآن کے مخالف ہے وہ ہر طبقہ کے ہاں مردود ہے اور جو قرآن کے موافق ہے اس کی

ضرورت ہی نہیں[37]۔ اس لئے کہ قرآن کافی ہے۔ دوم کہ آپ کی اس تجویز کی بنیاد ایک وضعی حدیث پر ہے [38]۔

اذا روی عنی حدیث فاعر ضوہ علیٰ کتاب اللہ فان و افقہ فاقبلوہ و ان خالفہ فردوہ

جب کوئی روایت مجھ سے کی جائے تو اس کا مقابلہ قرآن سے کرو۔ اگر قرآن کے مطابق ہو تو لے لو ورنہ مسترد کر دو۔

بعض جعلساز اس سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

قال رسول اللہ صلعم افا حدثتم عنی محدیث یوافق الحق فصد قوہ و خذ وابہ حدثت بہ اولم احدث

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ جب تمھارے سامنے کوئی ایسی حدیث پیش کی جائے جو حقیقت کے مطابق ہو تو اسے قبول کر لو۔ خواہ میرا قول ہو یا نہ ہو۔

مطلب یہ کہ اگر کوئی رتن سنگھ یہ کہہ دے کہ دو اور دو چار بنتے ہیں اور اسے رسول کی طرف منسوب کر دے تو قبول کر لو۔ اس لئے کہ یہ قول خلاف حقیقت نہیں۔

بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ تجویز بری نہیں، لیکن اس راہ میں بھی بڑی مشکلات ہیں۔ اس لئے کہ بعض ایسی احادیث بھی جو تعلیم قرآن کے عین مطابق اور حدیث کی اہم کتابوں میں شامل ہیں۔ محققین کے ہاں جعلی ہیں۔ مثلاً

---

[37] یہ جواب محض منطقیانہ ہے اور سخن گسترانہ ہے ۔ اس موضوع پر محققانہ بحث آگے آئے گی ۔ (مصنف)

[38] یہ ہر دو احادیث علامہ عقیلی۔ خطابی اور سفانی کے ہاں وضعی ہیں۔ (تذکرۃ الموضوعات ص 27-28)

حوالہ	کس نے وضعی قرار دیا	حدیث	کس نے وضعی قرار دیا	حوالہ
تذکرہ الموضوعات ص 11	امام ابن جوزی	الایمان عقد بالقلب و اقرا باللسل بالارکان ایمان کیا ہے۔ دل سے تصدیق۔ زبان سے اقرار اور اعضا سے عمل۔	امام ابن جوزی	تذکرہ الموضوعات ص 11
تذکرہ الموضوعات ص 17	ابن راہویہ۔ سخاوی۔ ابو علي نیشا پوري اور بیہقي	طلب العلم و بضۃ علی کل مسلم علم کی تلاش ہر مسلم پہ فرض ہے	ابن راہویہ۔ سخاوی۔ ابو علي نیشا پوري اور بیہقي	تذکرہ الموضوعات ص 17
تذکرہ الموضوعات ص 17	ابن عدی۔ ابن المجوزي۔ سیوطی۔ ابن حیان۔ بیہقي	اطلبو االعلم و لوکان بالصین تلاش علم میں چین تک جاؤ	ابن عدی۔ ابن المجوزي۔ سیوطی۔ ابن حیان۔ بیہقي	تذکرہ الموضوعات ص 17
تذکرہ الموضوعات ص 17	امام ابن تیمیہ الزرکشی	کنت کنزاً مخفیا لا عرف ناجبت ان اعرف فخلقت خلقاً فعر فتہم بی فعر فونی میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ چاہا کہ عیاں ہو جاؤں تو میں نے انسان پیدا کیا۔ میں نے اسے معرفت کے راستے بتائے۔ چنانچہ اس نے مجھے پا لیا۔	امام ابن تیمیہ الزرکشی	تذکرہ الموضوعات ص 17
تذکرہ الموضوعات ص 11	ابن تیمیہ	من عرف نفسہ عرف ربہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا گویا خدا کو پہچان لیا	ابن تیمیہ	تذکرہ الموضوعات ص 11
تذکرہ الموضوعات ص 14	سیوطی	من سر المومن فقد سر اللہ جس نے کسی مومن کو خوش کیا اس نے گویا اللہ کو خوش کیا	سیوطی	تذکرہ الموضوعات ص 14

ائمہ بن کی تصانیف میں اس طرح کی بےشمار مثالیں ملتی ہیں۔ کہ حدیث کا مضمون درست۔ تعلیم قرآن کے عین مطابق۔ اور پھر بھی غلط اب فرمائیے ! احادیث کو جانچنے کا پیمانہ کہاں سے لائیں۔

ساتواں باب

موطا پر ایک نظر

امام مالک بن انس (93ھ – 197ھ) نے جب پہلی مرتبہ موطا مدون کی تو اس میں دس ہزار احادیث درج تھیں۔ بعد میں اس پر نظر ثانی کی تو آٹھ ہزار سات سو اسی احادیث مشکوک نظر آئیں۔ انھیں نکال لیا اور صرف ایک ہزار سات سو بیس رہنے دیں۔ انھوں نے انتخاب احادیث کے لئے کون سا معیار استعمال کیا ہم نہیں جانتے۔ اس میں قطعاً کوئی کلام نہیں کہ امام مالک کا کردار تقدس اور خلوص تمام شبہات سے وا تر تھا۔ اور یہ کہ انھوں نے صحیح کو غلط سے جدا کرنے کے لئے تمام تر انسانی ذرائع استعمال کئے ہوں گے۔ لیکن پونے دو سو برس کا عرصہ گزر چکا تھا۔ احادیث بڑھتے بڑھتے اور بگڑتے بگڑتے کیا سے کیا بن چکی تھیں۔ اس ذخیرے میں سے قول رسول کو تلاش کرنا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔ ہم موطا کی تعظیم ضرور کرتے ہیں۔ لیکن وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے مندرجات واقعی اقوال رسول ہیں ۔ اور خصوصاً ان حالات میں کہ اس کی بعض روایات محل نظر ہیں۔ مثلاً موطا[39] میں درج ہے کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے وضو ضروری ہے۔ اور اذ قمتم الی الصلوٰۃ کی تفسیر اے من المضاجع یعنی النوم دی ہوئی ہے۔ لیکن صحیح بخاری (کتاب الوضو) میں

---

[39] طبع مجتبائی 1345 ھ ص 31۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے یہ حدیث دی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلعم رات کو جاگے صلوۃ تہجد ادا کی۔

ثم اضطجع و نام حتی نفخ ثم اتاہ المنادی فقام معہ الی الصلوٰۃ فصلی و لم یتوضا

پھر بستر پر دراز ہو گئے۔ پھر سو گئے یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ اس کے بعد نماز کے لئے بلانے والا آیا۔ آپ اٹھ کر اس کے ساتھ چل دئیے اور وضو کئے بغیر نماز پڑھ لی۔

چند اور اقوال ملاحظہ ہوں۔

من قبل امراتہ اوجھا بیدہ لوضو

جو شخص اپنی عورت کو چوم لے یا صرف چھو لے۔ اس پر وضو لازم ہو جاتا ہے۔ (موطا ص33)

لیکن اسی صفحے پر یہ حدیث بھی موجود ہے۔

من عائشۃ ان النبی قبل بعض نسائہ ثم خرج الی الصلوٰۃ ولم یتوضا

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی ازواج میں سے کسی کے بوسے لئے اور پھر وضو کئے بغیر نماز ادا فرما لی۔

صحیح مسلم (جلد اول مع فتح الملہم طبع مجتبائی ص 485) میں درج ہے۔

عن ابی بن کعب قال سئالت رسول اللہ صلعم عن الرجل یصیب من المراۃ ثم یکسل قال یضل ما اصابہ من المراۃ تم یتوضاء و یصلی

ابی بن کعب کہتے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے ایک ایسے شخص کے متعلق فتویٰ پوچھا کہ جو اپنی بیوی کے پاس بغرض

مجامعت گیا۔ کام شروع کیا۔ لیکن انزال سے پہلے ہی اسکی شہوت ختم ہو گئی۔ فرمایا وہ تمام نجاستوں کو دھو لے اور پھر وضو کر کے نماز پڑھ لے۔

مزید تشریح کے لئے اسی صفحہ کی اگلی حدیث دیکھئے۔

ان رسول اللہ صلعم قال فی الرجل یاتی اهلہ ثم لاینزل قال نیصل ذکرہ، و یتوضا

ایک ایسے شخص کے متعلق جس نے اپنی بیوی سے مجامعت کی لیکن انزال سے پہلے ہی علیحدہ ہو گیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ وہ شخص آلہ تناسل دھو کر وضو کر لے۔ (مسلم ص 485)

اسی مسئلہ پر اب موطا کا فیصلہ سنیے

عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمن بن عوف قال سئالت عائشہ مایوجب الضل قالت ... اذا جاوز الختان الختان فقد و جب الغسل (ملخص موطا ص 16)

ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ سے پوچھا کہ کس صورت میں غسل واجب ہو جاتا ہے ... فرمایا جب آلہ تناسلؔ کا سر [40]عورت کی شرمگاہ کے ابتدائی حصہ میں داخل ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ اس زمانہ میں سینکڑوں صحابہ مدینہ میں موجود تھے۔ اور عبدالرحمن بن عوف خود بھی فقیہہ صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ اس موضوع پر احادیث بھی لوگوں کو یاد ہوں گی۔ با

---

[40] اصل الفاظ ہیں اذا جاوز الختان الختان۔ مرد کی صورت میں ختان کے معنی ہوں گے آلہ تناسل کا ختنہ شدہ حصہ۔ اور عورت کی صورت میں شرمگاہ کا حصہ۔

ایں ہمہ ابو سلمہ نے یہ کمال کیا کہ ایک نہایت نازک سامسئلہ حضور علیہ السلام کی سب سے کم عمر زوجہ مطہرہ سے جا پوچھا۔ کیا مدینہ بھر میں اس چھوٹی سی بات کو بتانے والا کوئی مرد موجود نہیں تھا؟ کیا کوئی غیر مرد کسی معزز خاتون سے اس قسم کی بات دریافت کرنے کی جرات کر سکتا ہے ؟ اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ابو سلمہ یہ غلطی کر بیٹھے تھے تو حضرت عائشہ کو چاہیے تھا کہ ان کو اس جسارت پہ ڈانٹیں، کہ تم کو حرم نبویؐ سے ایسا سوال کرنے کی جسارت کیسے ہوئی؟ یا خاموشی اختیار فرما لیتیں۔ اور اگر خوامخواہ کوئی جواب دینا ہی تھا تو کنایہ و استعارہ سے کام لیتیں۔ یہ "آلہ تناسل کا شرمگاہ میں داخل ہونا" ایسے الفاظ ہیں جو ایک خاتون اپنے شوہر کے سامنے بھی منہ سے نہیں نکال سکتی چہ جائیکہ غیر مردوں کے سامنے۔

چونکہ یہ حدیث ہمارے مشاہدے ، عام تجربہ، عورت کی مسلمہ کیفیات نفسی اور حضرت عائشہؓ کے بلند مقام سے متصادم ہو رہی ہے نیز صحیح مسلم کی دو احادیث اس کی تردید کر رہی ہیں۔ اس لئے ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں کہ اس قول کو حضرت عائشہ کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔ میری اس رائے پر حدیث پرست علماء چیخ اٹھیں گے کہ تو کون ہوتا ہے امام مالک کی حدیث کی تردید کرنے والا۔ ایاز قدر خود بشناس، اس حدیث کے فلاں فلاں راوی ہیں۔ جن کے متعلق ابن ذہبی، ابن معین اور خدا جانے کس کس نے لکھا ہے کہ نہایت معتبر اور نیک لوگ تھے۔ اور تم جیسا جاہل کہتا ہے کہ حدیث غلط ہے۔ میں ان علماء کی خدمت میں قبل از وقت عرض کر دوں کہ عصر حاضر کا انسان یہ نہیں دیکھتا کہ کہنے والا کون ہے ۔ بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ کہا کیا ہے؟ راوی راوی کا شور مچائے جانا اور یہ نہ دیکھنا کہ روایت نے

حقیقت کو کتنا صدمہ پہنچایا ۔ نبی اور حرم نبوی کی منزلت کو کتنا دھکا لگایا۔ پیروان اسلام کے دل میں کتنے شبہات پیدا کیئے۔ اور دشمنان اسلام کو اسلام پہ ہنسنے کے کتنے مواقع بہم پہنچائے ہیں۔ ایک مُلا کا کام ہی ہو سکتا ہے۔ مُلا کہتا ہے کہ میری حدیث کا ہر ہر لفظ محفوظ رہے۔ اسلام رہے یا نہ رہے۔ حضور کی منزلت زیادہ ہو یا کم۔ لوگ اسلام پہ ہنسیں یا روئیں ، میری بلا سے۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم حدیث کے نیچے دبے ہوئے قرآن کو نکالیں اور اہل عالم کے سامنے ایک مرتبہ پھر اعلان کریں۔

ذالک الکتب لا ریب فیہ (سورۃ بقرۃ)

(کہ یہ کتاب تمام شبہات سے وراء الورا ہے)

لیلۃ القدر کی تلاش مسلمانوں کے ہر طبقے میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ رمضان کے آخری ہفتے میں ایک رات "لیلۃ القدر" کہلاتی ہے۔ اس کی خاص علامات یہ ہیں کہ زمین و آسمان بقعہ نور بن جاتے ہیں۔ کائنات کی ہر چیز سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت جو بھی دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔ اس رات کی تلاش میں ہمارا ایک طبقہ ہفتہ بھر جاگتا رہتا ہے۔ اور ان میں سے بعض اپنی کامیابی کے فرضی افسانے بھی گھڑ لیا کرتے ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ قرآن حکیم میں لیلۃ القدر کا ذکر آیا ہے۔

انا انزلنا ہ فی فی لیلۃ القدر

ہم نے یہ قرآن لیلۃ القدر یعنی فیصلہ کن رات میں اتارا۔

لیکن وہ لیلۃ القدر حدیث والی لیلۃ القدر سے الگ چیز ہے۔ اس کا مفہوم ہے کہ ایک فیصلہ کُن رات یعنی حق و باطل کے جھگڑے کو چکا دینے والی اور قیاصر و اکاسرہ کی تقدیر کا فیصلہ کر دینے والی رات۔ اور اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں تھا۔ جس مقدس رات میں یہ انقلابی کتاب ساری دنیا کو دی جا رہی تھی وہ رات یقیناً تمام نسل انسانی کے لئے فیصلہ کن رات تھی۔ اسی رات کو یہ اٹل فیصلہ لکھا جا رہا تھا کہ جو لوگ ہماری طرف بڑھیں گے ہم انھیں گلے لگا لیں گے اور جو ہم سے بھاگیں گے ہم انھیں مٹا دیں گے۔ لیکن حدیث کی لیلۃ القدر کا تصور بالکل جدا ہے اور اسلامی دنیا اسی لیلۃ القدر کو ڈھونڈتی رہتی ہے۔

تحرو الیلۃ القدر فی العشر الاواخر من رمضان

رمضان کے آخری عشرے میں لیلۃ القدر کی تلاش کرو۔(موطا ص 98)

التمسو ھا فی التاسعۃ والسا بعۃ و الخامسۃ الباقیۃ من الرمضان

لیلۃ القدر کو اکیسویں ، تئیسویں اور پچیسویں رات میں ڈھونڈو۔ (موطا ص 98)

پہلے زمانہ میں زاہد قسم کے مسلمان ان راتوں کو جاگتے تھے ، رات بھر عبادت کرتے تھے اور صبح اٹھ کر دوسروں کو بتاتے کہ یوں رات کو جلوؤں کا طوفان اٹھا تھا اور یوں درخت سجدے میں گر گئے تھے۔ نہ جاگنے والے یہی سمجھتے ہوں گے کہ مولانا سچ کہہ رہے ہیں۔ لیکن ہم صرف اتنا دریافت کرنے کی جرات کرتے ہیں کہ اگر واقعی لیلۃ القدر ہر رمضان میں آتی ہے تو وہ گذشتہ تین سو برس میں شب بھر جاگنے والے چوکیداروں ، ریلوے ملازموں، ملاحوں، ہوا بازوں اور مورچے میں ڈٹے ہوئے فوجیوں کو کیوں نظر نہ آئی؟

<u>قرآن میں ردو بدل</u> قرآن شریف میں مذکور ہے

نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون

ہم نے یہ قرآن شریف نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت ضرور کریں گے۔

اور ہمارا ایمان ہے کہ الٰہی پیغام کا ہر ہر لفظ محفوظ ہے۔ لیکن بعض اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ چند آیات پہلے قرآن میں موجود تھیں لیکن بعد میں نکال دی گئیں۔ مثلاً

لولا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لکبتتھا الشیخ و الشیخۃ انا زنیا فاد جموھا فاانآً قراءناھا

اگر لوگ مجھے یہ نہ کہتے کہ عمر بن خطاب نے قرآن میں اضافہ کر دیا ہے تو میں یہ آیت اس میں اضافہ کر دیتا "الشیخ و الشیخۃ ----" کہ جب کوئی بوڑھا اور بڑھیا زنا کے مرتکب ہوں تو انھیں سنگسار کر دو۔ ہم یہ آیت قرآن میں پڑھتے تھے۔ (موطا ص 348)

اگر پڑھتے رہے تو نکالی کس نے؟ اور اگر نکال دی گئی تھی تو اللہ کا وعدہ حفاظت قرآن کیا ہوا؟

اس موضوع پر ایک قول بخاری میں بھی موجود ہے۔

عن عمر بن خطاب قال ان اللہ بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم و انزل علیہ الکتاب فکان فیما انزل آیۃ الرجم

عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ اللہ نے محمد ؐ کو رسول بنا کر بھیجا اور اس پر ایک کتاب نازل کی۔ جس میں آیت رجم بھی موجود تھی۔

یعنی امام بخاری نے بھی تسلیم کر لیا کہ قرآن میں آیت رجم موجود تھی۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ گئی کہاں؟

یہ خرابی محض اس لئے پیدا ہوئی کہ امام بخاری اور دیگر ائمہ حدیث کی نظر ہمیشہ راویوں پر رہی اور یہ نہ دیکھا کہ مضمون روایت کیا تھا اور اس سے کس قدر مفاسد پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ آج اعدائے اسلام یہی احادیث ہمیں پیش کر کے کہتے ہیں کہ تمہارے قرآن میں رد و بدل ہوتا رہا ہے۔ اور اس کی آیات انسانی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکیں۔ کوئی بتاؤ کہ ہم اس الزام کا کیا جواب دیں؟

تحریف کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

حضرت علقمہؓ فرماتے ہیں کہ میں شام میں حضرت ابو الدرداؓ سے ملا تو آپ نے پوچھا کہ حضرت عبداللہ سورہ و اللیل کی تلاوت کیسے کرتے ہیں۔ تو میں نے کہا ، اس طرح

و اللیل اذا یغشی والذکرونی الا نتی

آپ نے فرمایا: خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلعم سے یہ آیات بالکل اسی طرح سنی ہیں اور میں اسی طرح پڑھوں گا۔ (صحیح مسلم جلد 2 ص 366)

تو گویا تین جلیل القدر صحابہ نے شہادت دے دی کہ یہ آیات مذکورہ بالا صورت میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن آج قرآن شریف میں یوں درج ہے۔

واللیل اذا یغشی و النھار اذا تجلی و ماخلق الذکر و الانثی

اب کس کو صحیح تسلیم کریں ؟ ان صحابہ کو ؟ صحیح مسلم کو؟ یا قرآن شریف کو؟ لازماً یہی کہنا پڑے گا کہ ہمارا قرآن صحیح ہے اور یہ حدیث مشتبہ۔

اسی قسم کی ایک اور حدیث دیکھئے۔ واقعہ یوں ہے کہ حضورؐ نے اصحاب صفہ میں سے چند حضرات کو اہل نجد کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا۔ جب وہ بئیر معونہ (مکہ اور عسفان کے درمیان ایک مقام) میں پہنچے تو عامر بن طفیل ۔ رعل۔ ذکوان وغیرہ نے انھیں قتل کر ڈالا۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ ان لوگوں کے متعلق مندرجہ ذیل آیت اتری تھی جو بعد میں منسوخ ہو گئی۔

بلغو اتومنا انا قد لقینا ربنا فرضیٰ عنا و رضینا عنہ

ہماری قوم کو کہہ دو کہ ہم اللہ سے اس حال میں ملے کہ وہ ہم سے خوش تھا اور ہم اس سے۔

(بخاری جلد 2 صفحہ 93 ۔ مسلم جلد 2 صفحہ 237)

اگر یہ آیت واقعی نازل ہوئی تھی تو مسلمان کی حوصلہ افزائی کے لئے اس کا باقی رہنا لازم تھا۔ قرآن شریف میں غزوات اور اس قسم کے دیگر واقعات کے متعلق بیسیوں آیات نازل ہوئیں جو بعینہ محفوظ ہیں۔ اور ان میں سے ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہوا۔ اس آیت میں کیا بات تھی کہ پہلے اتری پھر منسوخ کر دی گئی۔ کیا ہم تنسیخ کی وجہ یہ سمجھیں کہ شہدا اس تعریف کے قابل نہ تھے۔ یا اس آیت کو قرآن میں باقی رکھنے سے آئندہ نسلوں پر کوئی برا اثر پڑتا تھا؟ چونکہ تنسیخ کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی اور چونکہ اس قسم کی احادیث سے قرآن کی قطعیت

پر چوٹ پڑتی ہے اس لئے ہمارے لئے محفوظ ترین راستہ یہی ہے کہ ہم اس قسم کی تمام احادیث کو ناقابل اعتماد قرار دیں۔

چلتے چلتے اسی نوعیت کی ایک اور حدیث بھی سنتے جائیے۔

عن البراء بن عاذب قال تزلت هذه الایتہ حافظو علی الصلوت و الصلواۃ العصر فقرآنا هاما شاءاللہ ثم نسخها اللہ، نزلت حافظوا علی الصلوت و الصلواۃ الوسطی

(صحیح مسلم جلد 2 ص 205)

"براء بن حازب سے روایت ہے کہ پہلے یہ آیت اتری حافظوا علی الصلوات و الصلواۃ العصر ہم کچھ عرصے تک اسے پڑھتے رہے ، پھر منسوخ ہو گئی اور اس کی جگہ یہ نازل ہوئی حافظوا ۔ ۔ ۔ ۔ "

تقریباً تمام مفسرین اور بڑے بڑے صحابہ و الصلواۃ الوسطی کے معنی الصلواۃ العصر لکھتے آئے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ کو صلواۃ العصر منسوخ کر کے صلواۃ الوسطیٰ نازل کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ دشمنان اسلام ایک خاص سازش کے تحت اس قسم کی احادیث معتبر راویوں کے نام سے وضع کرتے رہے تاکہ مسلمان کا ایمان قرآن کے متعلق متزلزل ہو جائے اور چونکہ ائمہ حدیث صرف اسناد کو دیکھتے تھے اس لئے مسلم جیسے محقق بھی اس چال کے شکار ہو گئے۔ اور انھوں نے اس روایت کو اپنے مجموعے میں شامل کر لیا۔

یہ حقیقت تسلیم کی جا چکی ہے کہ گوشت میں غذائیت بہت زیادہ ہے۔ اس سے ایک انسان نہ صرف تندرست، پھرتیلا اور چاق و چوبند رہتا ہے

بلکہ گوشت خور ، سبزی خوروں کی نسبت زیادہ فراخ حوصلہ کریم الطبع اور بہادر ہوا کرتے ہیں۔ ہندوؤں کو دیکھ لو کہ ان کی اکثریت گوشت کو حرام سمجھتی ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ ماش کی دال ، بھلے اور پکوڑے کھا کھا کر ان کی توند بڑھ جاتی ہے۔ جسم ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ فراخ حوصلگی اور شجاعت کی صفت سے محروم ہو جاتے ہیں اور کسی قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ قرآن نے سواری اور گوشت خوری کو اللہ کا ایک انعام قرار دیا ہے۔

وذللنها لهم فمنها رلو بهم و منها ياكلون و لهم فيها منافع و مشارب افلا تشكرون

ہم نے بہائم کو انسان کا مطیع بنا دیا وہ ان پر سوار ہوتا ہے اور انھیں کھاتا بھی ہے ان مویشیوں (کے بالوں ہڈیوں گوبر اور چمڑے وغیرہ) میں انسان کے لئے بےشمار فوائد ہیں۔ کیا انسان ہماری اس نعمت کا شکریہ ادا نہیں کرے گا۔

سرور عالم صلعم اور ان کے صحابہ گوشت کو ایک نعمت سمجھ کر کھایا کرتے تھے۔ لیکن موطا کی ایک حدیث ہمیں گوشت جیسی نعمت سے اجتناب کا حکم دیتی ہے۔

عن عمر ابن الخطاب قال اياكم و اللحم فان له ضراوة كضراوة الخمر

عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ گوشت خوری سے بچو۔ اس لئے کہ شراب کی طرح اس کی بھی عادت پڑ جاتی ہے۔

ایک اچھی چیز کی عادت بھی پڑ جائے تو ہرج کیا اور چیز بھی ویسی کہ صحت کے لئے مفید۔ جرات و ہمت جیسے جذبات کی خالق ، شرعاً حلال اور اللہ کے ہاں ایک نعمت جیسی چیز سے اجتناب کا مطلب؟ کیا ہم

یہ فرض کرنے میں حق بجانب نہیں کہ مسلمانوں کو صحت اور چستی اور جذبہ جاں فروشی سے محروم کرنے کے لئے کسی دشمن اسلام نے یہ قول وضع کیا تھا۔ حضرت امام مالک اس جعلساز کا کھوج نہ لگا سکے اور اسے موطا میں شامل کر لیا۔

آٹھواں باب

صحیح بخاری پر ایک نظر

اس میں کلام نہیں کہ امام بخاری (وفات870عیسوی) نے صحیح احادیث کی تلاش میں لمبے لمبے سفر کئے۔ ہر حدیث کو پرکھنے کے لئے تمام امکانی وسائل اختیار فرمائے۔ استخارے کئے۔ کعبہ میں جا کر دعائیں مانگیں کہ اے اللہ! مجھے صحیح و غلط میں امتیاز کی توفیق عطا فرما۔ راویوں کا کھوج لگایا۔ ہر قبل ذکر محدث سے مشورہ کیا۔ اور سالہاسال کی مسلسل جستجو کے بعد اپنا مجموعہ تیار کیا۔لیکن اس قدر محنت و احتیاط کے باوجود اس مجموعہ میں چند ایسی احادیث موجود ہیں جو یا تو تعلیم قرآن سے متصادم ہیں یا آپس میں ٹکراتی ہیں یا مسلمانوں کو بے کار ، اپاہج اور بے عمل بناتی ہیں۔ اور یا ان سے حضور علیہ السلام اور ان کی ازواج مطہرات کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ ان حالات میں ہمارے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں ۔ یا تو ہم صحیح بخاری کے ہر ہر لفظ کی حفاظت کریں اور قرآن و رسول پہ جو کچھ گزرتی ہے گزرنے دیں۔ اور یا قرآن کو مقدم رکھتے ہوئے صرف ان احادیث کو قابل اعتنا سمجھیں جو عیوب بالا سے پاک ہوں۔

ہم امام بخاری کی محنت و تلاش کی داد تو دیتے ہیں اور انہیں بے حد قابل احترام سمجھتے ہیں لیکن کیا کریں کہ حضور پرنور کی ذات والا صفات سے ہمیں اس قدر عقیدت و محبت ہے کہ ہم ان کی شان میں کوئی ہلکی سی جسارت بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

امام بخاری کی نظر زیادہ تر اسناد پر رہی۔ انھیں جس حدیث کے وضعی ہونے پہ کوئی تاریخی شہادت نہ مل سکی اس اپنے مجموعے میں شامل کر لیا لیکن صفحات گزشتہ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ احادیث کا کیا حال ہو چکا تھا۔ راویوں کے حالات کس بے احتیاطی سے قلمبند ہوئے تھے اور وہ ایک دوسرے کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے۔ ان حالات میں صرف راویوں پہ اعتماد کر کے بخاری کی ہر روایت کو قول رسول سمجھ لینا درست معلوم نہیں ہوتا۔

رسول اکرم بحیثیت نبی 23 برس زندہ رہے۔ اس لمبی مدت میں یقیناً آپ نے قرآن کے علاوہ بھی کوئی ارشاد فرمایا ہو گا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چودہ لاکھ احادیث کے طور مارِ پریشاں میں سے اقوال رسول کو کون ڈھونڈے اور کس طرح ڈھونڈے۔ بخاری کی جو احادیث قرآن ، عقل اور حقیقت کے خلاف نہیں ہم ان کے متعلق یہ حسن ظن تو رکھ سکتے ہیں کہ وہ غالباً اقوال رسول ہوں گے۔ لیکن پورے وثوق سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ احادیث کی حیثیت محض تاریخ کی ہے۔ تاریخ میں غلط باتیں بھی ہو سکتیں اور صحیح بھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک مورخ تدوین تاریخ میں اس قدر خلوص اور محنت سے کام نہیں لے سکتا جتنا امام بخاری نے لیا ہے۔ اس لئے ہمارے لئے صاف اور سیدھا راستہ یہی ہے کہ ہم صرف قرآن حکیم پر ایمان لائیں اور قرآن سے مطابق احادیث پہ حسن ظن رکھیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایک ظنی چیز کو وحی کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

دع مایرلبیک الیٰ مالا یرلبیک مشتبہ اور ظنی چیز کو چھوڑ کر یقینی اور قطعی چیز کو اختیار کرو۔

کسی تصنیف کی صحیح قدر و قیمت متعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے مضامین پہ ایک ناقدانہ نگاہ ڈالیں۔ اس سلسلے میں بخاری کی چند روایات کو موضوع بحث بناتے ہیں۔

ایک پیشین گوئی چھ ہجری 628 عیسوی کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خسرو پرویز شاہ ایران (590 - 628ء) اور ہرقل قیصر روم (640-641ء) کی طرف خطوط بھیجے۔ اور انھیں اسلام کی دعوت دی ۔ ہرقل نے قاصد رسول کی بڑی تعظیم کی۔ لیکن کسریٰ (شاہ ایران) نے خط پھاڑ ڈالا۔ اور قاصد کو ڈانٹ ڈپٹ کر دربار سے نکال دیا۔ جب حضورؐ کو اس سلوک کی اطلاع ملی تو آپ نے ایک پیشین گوئی کی۔ قیصر کے حسن سلوک اور کسریٰ کی بدتمیزی کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضور صرف نسل کسریٰ کے خاتمے کی پیشین گوئی فرماتے اور ہر قل کے لئے اسی طرح محبت کا اظہار کرتے جس طرح وہ نجاشی سے کیا کرتے تھے لیکن جو پیشین گوئی بخاری میں موجود ہے وہ ہماری اس تمنا کو پوری نہیں کرتی۔

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلعم قال افا ہلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ واذا ہلک قیصر فلا قیصر بعدہ

ابوہریرہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کسری کے تباہ ہونے کے بعد کوئی اور کسریٰ نہیں ہو گا اور نہ قیصر کے بعد کوئی اور قیصر۔ (بخاری جلد 2 ص 126)

کسریٰ کے متعلق یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ آنحضرت کی رحلت سے صرف دس برس بعد 642عیسوی میں جنگ نہاوند نے ساسانی خاندان کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ کچھ عرصے بعد آخری کسریٰ

(یزدگرد) قتل ہو گیا اور اس کے بعد پھر آج تک کوئی کسریٰ پیدا نہ ہوا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ کہ قیصر کے متعلق بھی یہ پیشین گوئی اسی طرح پوری ہوتی لیکن اے کاش کہ ایسا نہ ہوا۔ ہرقل 641ء میں فوت ہوا۔ پھر کانسٹینس (641-642ء) اس کے بعد کانسٹینس دوم (642-668ء) تخت نشین ہوا۔ پھر قسطنطین چہارم (668-685ء) پھر قسطنطین (685-695ء) اور یہ سلسلہ 1453 عیسوی تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ سلطان محمد ثانی 1451 عیسوی قسطنطین 1481 ء فاتح قسطنطنیہ نے اس سلسلے کو 1453 عیسویں میں ختم کیا۔ حضورؐ نے یہ پیشین گوئی 630 ء میں کی تھی اور یہ خاندان اس پیشین گوئی کے بعد آٹھ سو ستائیس برس تک زندہ رہا۔ اور اس عرصے میں خود مسلمانوں کے بیسیوں فرمانروا سلسلے ختم ہو چکے تھے۔ مثلاً خلفائے راشدین (632ء -661ء) اُمیہ (661ء- 750ء) عباسیہ (750ء - 1285ء) خلفائے اندلس (756ء - 1031ء) خلفائے فاطمی (909ء-1171ء) ایوبیان مصر (1169ء -1252ء) ممالیک بحری (1250ء-1390ء) وغیرہ۔ کیا کسی سلسلے کے خاتمے کی پیشین گوئی کا مطلب یہی ہے کہ وہ سوا آٹھ سو برس تک زندہ رہے۔ آٹھ سو برس قوموں کی قدرتی عمر ہے۔ اتنی لمبی زندگی کے بعد اگر کوئی سلسلہ منقطع ہو بھی جائے تو کوئی عقلمند یہ باور نہیں کرے گا کہ اس کا خاتمہ کسی پیشین گوئی کی وجہ سے ہوا تھا۔اگر حضورؐ نے واقعی فرمایا تھا کہ قیصر کے بعد کوئی دوسرا قیصر نہیں ہو گا تو آپ کا اشارہ اس قیصر کی طرف ہو گا جو اس وقت تخت نشین تھا۔ اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ ایک پیشین گوئی زیادہ سے زیادہ سو دو سو سال یا دو چار پشتوں کے بعد پوری ہو جاتی۔ ایک پیشین گوئی سوا آٹھ سو برس تک پوری نہ ہوئی۔ اور ہم یہی کہے جائیں کہ یہ وحی خفی ہے۔ مخبر صادق کا قول ہے۔ اور خدائی الہام ہے۔ اس طرح کی

پیشین گوئی تو ہر شخص کر سکتا ہے۔ مثلاً زید کہہ سکتا ہے کہ شاہ انگلستان کی وفات کے بعد کوئی اور شاہ انگلستان نہیں آئے گا۔ اور اس کے بعد اگر شاہان انگلستان کا سلسلہ ایک ہزار برس تک بھی جاری رہے تو وہ کہہ سکتا کہ میری پیشین گوئی اتنی ہی صحیح ہے جتنی قیصر کی موت والی۔

یہاں یہ بتا دینا نامناسب نہ ہو گہ کہ قیصران قسطنطنیہ کا سلسلہ 320 عیسوی سے شروع ہوا تھا۔ پہلا قیصر قسطنطین اول (288ء-337ء) تھا۔ اس کا پایہ تخت روما تھا۔ 330ء میں اس نے قسطنطنیہ کو جس کا قدیم نام "بائزنٹیم" تھا دار الخلافہ بنا لیا۔ اور اسی نسبت سے یہ لوگ "بائزنٹائن امپرز" کہلانے لگے۔ کل قیصروں کی تعداد 84 تھی۔ ہرقل پندھرواں قیصر تھا۔ اور اس کے بعد 69 قیصر اور آئے۔

اس سلسلے میں گیارہ قیصر ایسے بھی گزرے تھے جو قسطنطینن کے لقب سے مشہور تھے ہرقل قسطنطینن سوم تھا۔ پورا جدول یہ تھا۔

1۔ قسطنطینن اول 228 - 337ء

2۔ قسطنطینن دوم 317 – 340ء

3۔ قسطنطینن سوم 610 – 641ء یہ وہی ہے جس کی طرف حضور نے خط بھیجا تھا۔

4۔ قسطنطینن چہارم 668 – 685ء

5۔ قسطنطینن پنجم 740 – 775ء

6۔ قسطنطینن ششم 779 - 797ء

7- قسطنطین ہفتم 912 – 958ء

8- قسطنطین ہشتم 1025 – 1028ء

9- قسطنطین نہم 1042 – 1055ء

10- قسطنطین دہم 1059 – 1067ء

11- قسطنطین یاز دہم1448 – 1453ء

(Story of Nations by OMAK)

اگر کوئی غیر مسلم ہم سے پوچھ بیٹھے کہ کیا تمہارے نبی صلعم کی تمام پیشین گوئیاں ایسی ہی ہوا کرتی تھیں۔ تو ہم اس طنز کا کیا جواب دیں گے۔ بغیر اس کے کہ اس حدیث میں قیصر والا حصہ بعد کا اضافہ تسلیم کریں۔

<u>تاریخی غلط بیانیاں</u> اول: یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ مسجد اقصیٰ (یروشلم) کے بانی حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ تواریخ 20 باب 3 آیات 1 – 2 میں مذکور ہے۔

"اور سلیمان خداوند کا گھر یروشلم میں کوہ موریا پر جو اس کے باپ داد کو دکھلایا گیا تھا۔ اور جگہ جو داؤد نے اُرفان بیوسی کے کھلیان میں مقرر کی تھی ، بنانے لگا۔ اور سلیمان نے اپنی سلطنت کے چوتھے برس کے دوسرے مہینے کی دوسری تاریخ کو بنانا شروع کیا"

تواریخ2 ۔ باب 6۔ آیات 9-10 میں بیان کیا گیا ہے۔

"خداوند نے میرے باپ داؤد سے کہا تھا کہ اس سبب سے کہ تو نے میرے نام کا گھر بنانے کا ارادہ کیا۔ اچھا کیا لیکن تو خود یہ گھر نہیں بنائے گا۔ بلکہ تیرا بیٹا جو تیری صلب سے نکلے گا ، وہی تیرا گھر بنائے گا"[41]

اور یہ بھی تسلیم کیا جا چکا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ تقریباً ہزار سال قبل مسیح تھا۔ ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برطانیکا۔ نیز ارض القرآن جلد 2 طبع دوم ص 241 مصنفہ سید سلیمان ندوی۔ قصص الانبیاء میں حضرت ابراہیم کا زمانہ 2361قم اور حضرت داؤد کا 1693قم دیا ہوا ہے۔ جو تحقیقات جدیدہ کے رو سے درست نہیں۔ ایک اور کتاب میں (جس کا نام بھول گیا ہوں) حضرت ابراہیم کا زمانہ 2014 قم دیا ہوا تھا۔ سید البشر (ص6) میں ابوسعید عبدالرحمن فرید کوٹی نے کافی تلاش و جستجو کے بعد حضرت ابراہیم کا عہدہ 2015 قم بتایا ہے۔ اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اس حساب سے حضرت ابراہیم اور سلیمان ؑ کے درمیان قریباً ایک ہزار سال کا عرصہ بنتا ہے۔ تورات میں حضرت سلیمان کا نسب نامہ یوں دیا ہوا ہے۔

---

[41] قدیم الہامی کتابوں میں دو صحیفے تواریخ 1 اور تواریخ 2 کے نام سے موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو بائییل۔ اس صحیفے میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی پوری تفصیل کئی صفحات میں بیان کی گئی ہے۔ کہ معمار کہاں سے آئے ، چوب کہاں سے لی گئی ، پتھر کہاں سے حاصل کئے گئے اور مسجد کی شکل کیا تھی۔

ابراہیم	آرام (رام)
اسحق	عمیداب
یعقوب	نجسوان
یہوداہ	سلمون
فارص (پہارس)	یوغر
حصردم (حصران)	عوبید
یسیٰ	
داؤد	سلیمان (1015 قم - 986 ق م)

اس نسب نامے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ابراہیم ؑوسلیمانؑ میں کئی سو برس کا زمانہ حائل تھا۔ حضرت سلیمان نے 1011 قم میں مسجد اقصیٰ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اگر عام تاریخوں پہ اعتماد کرتے ہوئے ہم حضرت ابراہیم کی تاریخ وفات اندازاً 2000 قم قرار دیں اور مکہ کی تعمیر 2070 قم کے قریب فرض کر لیں تو تعمیر مکہ اور تعمیر بیت

المقدس کے درمیان 1059 برس کا زمانہ بنتا ہے۔ علامہ قسطلانی شارح بخاری لکھتے ہیں کہ۔

.. ان بانی الکعبۃ ابراہیم و بانی بیت المقدس سلیمان و بینھما اکثر من الف سنۃ

حضرت ابراہیم بانی کعبہ تھے اور حضرت سلیمان بانی بیت المقدس اور ان کے درمیان ایک ہزار برس سے بھی کچھ زیادہ کا زمانہ حائل تھا۔

لیکن بخاری کی ایک حدیث کے مطابق یہ زمانہ صرف چالیس سال بنتا ہے۔

عن ابی ذرقال قلت یا رسول اللہ ای مسجد وضع فی الارض اول قال المسجد الحرام قال قلت ثم ای قال المسجد الاقصیٰ۔ قلت کم کان بینھما قال اربعون سنۃ

ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد بنی۔ فرمایا کعبہ۔ پھر پوچھا اس کے بعد کونسی مسجد بنی۔ فرمایا مسجد اقصیٰ ۔ میں نے پوچھا ان کی تعمیر میں کتنا زمانہ حائل تھا۔ فرمایا چالیس سال۔

(صحیح بخاری جلد 2 ص 155)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں: ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم کے فوراً بعد کسی نے مسجد اقصیٰ بنائی ہو ، جو گر چکی ہو اور اسے سلیمان نے دوبارہ تعمیر کیا۔

تاریخ کے ٹھوس واقعات کو ممکن ہے یہ ہو وہ ہو، سے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اگر حقیقتاً مسجد اقصیٰ ایک مرتبہ پہلے بن چکی تھی تو تاریخی ثبوت چاہیے۔

اس اعتراض کے جواب میں مولوی سرفراز خاں خطیب گھکڑ نے اپنی تصنیف "صرف ایک اسلام" کے صفحات 24-28 میں تورات کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت یعقوب نے ایک معبد بیت ایل کے نام سے بنایا تھا۔ اور انھی بنیادوں پر حضرت سلیمان ؑ نے بیت المقدس کی تعمیر کی تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے اس لئے کعبہ اور بیت ایل کی تعمیر میں اندازاً چالیس ہی سال کا زمانہ حائل ہو گا۔

بات نہایت معقول کہی۔ اگر واقعی ثابت ہو جائے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیت ایل یہیں تھا۔ جہاں بیت المقدس تعمیر ہوا تو معاملہ حل ہو جاتا۔ پہلے حوالہ دیکھئے۔

"اور یعقوب بیر سبع سے نکل کر حاران کی طرف چلا --- (راہ میں ایک جگہ خواب میں اللہ کو دیکھا) یعقوب صبح سویرے اٹھا اور اس پتھر کو جسے آپ نے سرہانے دھرا تھا لے کر ستون کی طرح کھڑا کیا اور اس کے سرے پہ تیل ڈالا۔ اور اس جگہ کا نام بیت ایل رکھا۔ پہلے اس بستی کا نام لُوز تھا"

(پیدائش باب 28 - آیات 10 – 19)

انسائیکلو پیڈیا برطانیکا میں بیت ایل کے متعلق درج ہے کہ اس جگہ کا پہلا نام لُوز تھا۔ جب حضرت یعقوبؑ نے وہاں مذبح بنایا تو اس جگہ کا نام بیت ایل پڑ گیا۔ یہ مقام یروشلم سے گیارہ میل دور شمال میں تھا۔ انسائیکلو

پیڈیا نے اس عہد کے کنعان (فلسطین) کا پورا نقشہ بھی دیا ہے۔ چونکہ بیت المقدس یروشلم میں ہے اور بیت ایل گیارہ میل دور تھا اس لئے اس کی بنیادوں پر مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضرت یعقوب نے سالم بستی کے قریب ایک اور مذبح بنایا تھا جس کا نام الا لٰہ اسرائیل رکھا تھا۔ یہ بستی یروشلم سے سے چالیس میل شمال میں واقع ہے۔

دوم: سیرت کی تمام کتابیں اس حقیقت پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ حضرت عائشہ کی یہ روایت بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔

عن عائشہ ان النبی صلعم تو فی ابن ثلاث و ستین

کہ نبی کریم صلعم نے تریسٹھ سال کی عمر رحلت کی۔ (بخاری جلد 2ص 175)

لیکن حضور کے خادم خاص حضرت انس جو 1268 حدیثوں کے راوی بھی ہیں کہتے ہیں کہ رسول اللہ کی عمر ساٹھ برس تھی۔

انزل علیہ و ھوا ابن اربعین فلبث بمکۃ ھشر سنین ینزل علیہ و بالمدینۃ عشر سنین

چالیس برس کی عمر میں حضور پر قرآن اترنے لگا۔ اس کے بعد آپ دس سال مکہ میں اور دس سال مدینہ میں زندہ رہے۔ (بخاری جلد 2 ص 176)

اسی صفحے پر اسی مضمون کی ایک اور آیت بھی موجود ہے۔ جو حضرت انسؓ ہی سے منقول ہے۔ لیکن حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:

بعث رسول اللہ صلعم لاربعین سنۃ فمکت بمکۃ ثلاث عشرۃ سنۃ یوحیٰ الیہ ثم امر بالھجرۃ فھاجر عشر سنین و مات و ھوابن ثلاث و ستین

چالیس برس کی عمر میں حضور پر وحی نازل ہونے لگی۔ اس کے بعد آپ مکہ میں تیرہ برس رہے۔ اور وحی باقاعدہ جاری رہی پھر مدینہ میں تشریف لے گئے ۔ وہاں دس سال رہے اور تریسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔

(صحیح بخاری جلد 2 ص 214)

بےشمار کتب سیرت کی شہادت اور حضرت ابن عباس و حضرت عائشہ کی روایت کی روشنی میں حضرت انس کی روایت غلط ہے۔ حیرت ہے کہ امام بخاری نے اس غلط روایت کو اپنی "صحیح" میں جگہ کیوں دی۔ اور زیادہ حیرت اس امر پر کہ جس حضرت انس کو اپنے آقا رہبر اور پیغمبر کی عمر تک معلوم نہیں تھی ، ان کی باقی 83 روایات کو امام بخاری نے کیسے صحیح سمجھ لیا۔

حضرت انس دس برس تک رسول اللہ صلعم کی خدمت میں خادم خاص بن کر رہے اور انھیں یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کی عمر کتنی تھی؟ اگر معلوم نہیں تھی تو بتائی کیوں؟ اور اگر معلوم تھی تو غلط بیانی کیوں کی؟ اور اگر وہ سہواً غلط بیانی کر بیٹھے تھے تو امام بخاری نے اسے ایک ایسی کتاب میں کیوں شامل کر لیا جو قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب سمجھی جاتی ہے؟

<u>سوم</u> عطاء بن یسیار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے دریافت کیا کہ تورات میں حضور پر نور کے متعلق کوئی آیت موجود ہے؟ کہا کیوں نہیں؟ آپ کے متعلق یہ آیت تورات میں موجود ہے۔

یاٰ ایھاالنبی انا ارسلنک شاھدًا و مبشرًاو نزیرًا و حرز اللا مبین انت عبدی و رسولی سمیتک المتوکل لیس لبفظ ولا غلیظ ۔۔۔الخ

اے رسول! ہم نے تجھے شاہد، بشیر،نذیر اور ان پڑھ عربوں کا محافظ بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ اور رسول ہے ۔ تو نہ ترش مزاج ہے اور نہ تند طبع۔۔۔۔۔

تورات کو" الف" سے "یا" تک پڑھ جائیے یہ الفاظ کہیں نہیں ملیں گے۔ ممکن ہے کہ آپ یہ کہہ دیں کہ تورات میں اس قدر تحریف ہو چکی ہے کہ اس کی کوئی کل سیدھی نہیں رہی۔ یہ آیت ملے تو کہاں سے؟

اس کے دو جواب ہیں۔

اول۔ اگر تحریف ہو چکی تھی تو ابن عمروؓ نے وہ آیت کہاں سے دیکھ لی تھی۔ حضرت موسیٰ کا زمانہ اندازاً 1500 سال قبل از مسیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ کے عہد تک پورے دو ہزار سال گزر چکے تھے۔ مبینہ تحریف اس عہد میں ہو چکی ہو گی۔ خود مسیحی[42] مصنفین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہودہ (698 ق م) کے زمانہ میں تورات گم ہو گئی تھی اور 75 برس بعد دستیاب ہوئی تھی۔ مسلم محققین اسی عہد کو تحریف تورات کا عہد تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصلی تورات نہیں ملی تھی۔ بلکہ ایک جعلی نسخہ تیار کر لیا گیا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ تورات بخت نصر کے حملے میں ضائع ہو گئی تھی۔ یہ حملہ 606 قم

---

[42] احوال کتاب مقدس ۔ حصہ اول باب 48 صفحہ 117۔ مطبوعہ لندن 1860ء۔

میں تاجدار بابل (بخت نصر) نے سلطنت یہود پر کیا تھا۔ ہر یہودی کو قتل کر ڈالا تھا یا قیدی بنا کر ساتھ لے گیا تھا اور تورات کو جلا دیا تھا۔

مبینہ تحریف کا زمانہ 698 قم ہو یا 606 ق م۔ وہ بہرحال ولادت حضور صلعم سے صدیوں پہلے ہو چکی تھی ۔ اس زمانے میں تورات کے نسخوں کی تعداد محدود تھی۔ اور تحریف آسانی سے ہو سکتی تھی۔ لیکن عہد رسولؐ میں ہزار ہا نسخے مختلف ممالک میں موجود تھے اور بعد میں ان کی تعداد بڑھتی ہی گئی۔ اس لئے تحریف آسان نہیں تھی۔ یہ تو ممکن تھا کہ کوئی شخص اپنے ذاتی نسخے میں رد و بدل کر دیتا لیکن دوسروں کو اس تحریف کا قائل کرنا آسان نہ تھا۔ آخر یہودیوں میں بھی ایسے ہزار ہا اشخاص موجود ہوں گے جنھیں اپنی کتاب سے اسی طرح محبت ہو گی جس طرح ہمیں قرآن سے ہے۔ اگر ہم قرآن میں تحریف کا تصور تک برداشت نہیں کر سکتے تو یہودیوں کے متعلق یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ان کا ہر فرد تحریف کے لئے تیار تھا۔

ومن قوم موسیٰ امۃ یھدون بالحق

موسیٰ کی قوم میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو سچائی کا راستہ دکھاتے تھے۔

یہ سچے یہودی تورات کی تحریف کس طرح گوارا کر سکتے تھے ۔ بنابریں اگر تحریف ہوئی تھی تو وہ یقیناً نزول قرآن سے صدیوں پہلے ہو چکی ہو گی۔ ان حالات میں کیا ہم یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ ابن عمروؓ نے وہ آیت کہاں سے دیکھ لی تھی۔

دوم: حضرت مسیح نے اعلان کیا تھا

"جب تک زمین و آسمان نہ ٹل جائیں، ایک نقطہ یا شوشہ تورات سے ہرگز نہ ٹلے گا" (انجیل متی باب 5 آیت 17)

اگر تورات محرف ہو چکی تھی تو حضرت مسیح اتنے زور سے یہ اعلان کیوں کرتے۔صاف صاف کہہ دیتے کہ تورات گم ہو چکی ہے۔ یا بگڑ چکی ہے۔ اس کے تمام احکام مسخ ہو چکے ہیں۔ اس لئے میں نئی کتاب لے کر آیا ہوں۔

تورات کی تصدیق کرنا اور دنیا کو ڈنکے کی چوٹ کہنا کہ تورات کا ہر شوشہ اور نقطہ اپنی جگہ قائم ہے اور جب تک یہ زمین و آسمان قائم ہیں اس کا ایک حرف تک بدل نہیں سکتا۔ صاف صاف اعلان ہے اس حقیقت کا کہ حضرت مسیح کے عہد تک تورات اپنی اصلی حالت میں باقی تھی۔

تورات کے غیر محرف ہونے پر کچھ تاریخی شواہد بھی موجود ہیں لیکن چونکہ ہمارے علماء الہام کے مقابلے میں تاریخ کو کوئی وقعت نہیں دیتے اس لئے ہم اس موضوع پر قرآن کا فیصلہ درج کرتے ہیں۔

1۔ سورہ بقر کی ابتدائی آیات میں ہمیں تمام سابقہ آسمانی صحائف پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر وہ کتابیں محرف ہو چکیں تھیں اور غلط سلط تھیں تو ان پر ایمان لانے کا مقصد؟

2۔ جس طرح انجیل کے متعلق قرآن نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ تورات کی مصدق تھی۔

واتیناہ الانجیل فیہ ھدی و نور رمصد قالما بین بدیہ من التوراۃ

ہم نے موسیٰ کو انجیل دی جس میں نور و ہدایت ہے اور جو تورات کی تصدیق کر رہی ہے۔

اسی طرح قرآن نے تورات و انجیل ہر دو کی تصدیق کی ہے۔

مصدقالما بین یدیہ من التوارۃ و الانجیل

قرآن تورات و انجیل ہر دو کی تصدیق کر رہا ہے۔ تصدیق کے معنی ہیں سچا سمجھنا اور درست تسلیم کرنا۔ جب قرآن تورات و انجیل کی صداقت کا اعلان کر رہا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں انہیں جھوٹا سمجھنے والے۔ کیا قرآن ایک محرف اور جھوٹے صحیفے کی صداقت کا اعلان کر سکتا تھا۔ کیا خدا کو علم نہیں تھا کہ تورات میں تصرف ہو چکا ہے۔ اگر علم تھا تو تصدیق کیوں کی؟ کیا کوئی مجسٹریٹ جعلی دستاویز کی دیدہ و دانستہ تصدیق کر سکتا ہے ؟

3۔ آپ کہیں گے کہ اللہ نے اصلی تورات کی تصدیق کی تھی نہ کہ صحیفہ رائج کی ، بہت اچھا ، تو پھر قرآن نے یہ کیوں کہہ دیا؟

قل یا اھل الکتاب لستم علیٰ شئی حتی تقیمو التوراۃ و الانجیل

اے رسول! اہل کتاب سے کہہ دو کہ جب تک وہ تورات و انجیل پر عمل نہیں کریں گے ان کی بگڑی کبھی نہ بن سکے گی۔

اگر یہ کتابیں انسانی دست برد سے ناپاک ہو چکی تھیں تو اہل کتاب کو ان پر عمل کرنے کی دعوت کیوں دی؟ اور سنئے ۔

... وعند ھم التوراۃ فیھا حکم اللہ

اور ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا حکم درج ہے۔

یہ نہیں فرمایا کہ درج تھا۔ بلکہ درج ہے۔ نحو کا مشہور قاعدہ ہے کہ جہاں جارو مجرور کا متعلق مذکور نہ ہو، وہاں موجود یا کائن محذوف فرض کر لیا جاتا ہے۔ اس قاعدے کی رو سے آیت کے معنی ہوں گے

"۔۔۔ تورات میں اللہ کا حکم موجود ہے"

لیکن آپ کہتے ہیں کہ "موجود تھا" کس کو صحیح سمجھوں؟ آپ کو یا اللہ کو؟

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور

ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور موجود ہے۔ (قرآن)

ایک اور آیت ملاحظہ ہو۔

ولو آمن اھل الکتاب ومآ انزل الیھم من ربھم لا کلوامن فوقھم . . . الخ

اگر یہود و نصاریٰ ان کتابوں پر ایمان لا کر نیک بن جاتے جو ان پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں تو وہ ہمارے انعامات کے مستحق بن جاتے۔

اس آیت میں اہل کتاب کو تورات و انجیل پر ایمان لا کر نیک بننے کی ترغیب دی گئی ہے اگر یہ کتابیں غلط تھیں تو اللہ نے ان پر ایمان لانے کا حکم کیوں دیا۔ ممکن ہے کہ آپ یہ کہیں کہ جب تورات و انجیل اصلی حالت میں موجود تھیں تو پھر قرآن اتارنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہاں میں صرف قرآن کا جواب پیش کروں گا۔

وھذکتاب مبارک انزلناۃ فاتبعوہ و اتقوا العلکم ترحمون ان تقولو انما انزل الکتاب علی طالفتین من قبلنا و ان کنا عن دراستمم لغافلین

ہم نے یہ مبارک کتاب (قرآن) عطا کی ہے اسے مانو اور گناہوں سے بچوں تاکہ تم ہماری رحمت کے مستحق بن سکو۔ اب تم یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ ہم سے پہلے دو امتوں (یہود و نصاریٰ) پر کتابیں نازل ہوئیں تھیں لیکن وہ اجنبی زبان میں تھیں اور ہم انھیں نہیں سمجھ سکتے تھے۔

یعنی نزول قرآن کی وجہ یہ نہیں بتائی گئی کہ پہلی کتابیں مسخ ہو چکی تھیں بلکہ یہ کہ وہ ایسی زبان میں تھیں جس سے عرب نا آشنا تھے۔ کیا تورات کی صحت پر اس سے بڑی شہادت پیش کی جا سکتی ہے ؟

اور سنیئے !

لیسوا سواء من اھل الکتاب امۃ فائمۃ یتلون ایات اللہ آنا اللیل و ھم یسجدون یومنون باللہ والیوم الاخر و یامرون بامعروف و ینھون عن المنکر ویسارعون فے الخیرات و اولئک من الصلحین ۔

سارے اہل کتاب برے نہیں۔ ان میں ایسے نیک اور پرہیز گار بھی موجود ہیں جو رات کو اللہ کی آیات (تورات و انجیل) پڑھتے اور سجدے کرتے ہیں۔ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیکی کی ترغیب دیتے ،برائی سے روکتے اور نیک اعمال کی طرف بےتابانہ بڑھتے ہیں۔ یہ لوگ صالح ہیں۔

اس آیت میں تورات و انجیل کو اللہ کی آیات کہا گیا ہے۔ اگر تورات بگڑ چکی ہوتی تو اللہ اس کے احکام کو آیات کیوں کہتا۔ اور اس پر عمل کرنے والوں کو صالحین میں کیوں شمار کرتا۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ صورت حالات ہے تو پھر مسلمان بننے کی ضرورت کہاں باقی رہ جاتی ہے۔ عیسائی رہ کر نیک عمل کئے جاؤ نہ قرآن پہ ایمان لانے کی ضرورت اور نہ رسولؐ پر۔ سارے اسلام سے چھٹی مل گئی۔ یہ سوال اسلام کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اسلام کسی زبانی اقرار کا نام نہیں بلکہ نیکی کا نام ہے۔ اگر ایک عیسائی نیکی کر رہا ہے تو وہ قرآن کی رو سے مسلمان ہے۔ رسول و قرآن کا صحیح پیرو وہی ہے جو نیک ہو نہ وہ جو کلمہ پڑھ کر سارے جہان کی بد معاشیاں کرتا پھرے ۔ آپ کے ہاں اسلام چند عقائد کا نام ہے۔ اور قرآن کے نزدیک صرف نیکی۔ اس لئے خدا و رسول کا صحیح پیرو وہ ہے جو ان احکام پہ عمل کر رہا ہے۔ خواہ اس پر عیسائیت کا لیبل لگا ہوا ہو یا یہودیت کا ۔ نہ وہ جو خدا اور رسول کا صرف زبانی قائل ہو اور عملاً کافر۔ چونکہ قرآن کی رو سے

ان ھذ الفی الصحف الاولی ولی صحف ابراھیم و موسیٰ

یہ قرآن ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

اس لئے کتاب موسیٰ کا سچا عامل خود بخود قرآن کا عامل بن جاتا ہے۔ مت بھولئے کہ ہر عمل کا ایک صلہ ہے جو کسی طرح ضائع نہیں ہوتا۔ عامل خود مر ہو یا عورت ، عیسائی ہو یا مسلمان۔ یہ صلہ اسے مل کر رہے گا۔

اہل کتاب کے متعلق ارشاد ہے

وما یفعلوامن خیر فلن یکفرو

ہم ان اہل کتاب کے کسی نیک عمل کو ضائع نہیں جانے دیتے۔

ممکن ہے کہ آپ سوچ رہے ہوں کہ وہ جو قرآن میں یہود کے متعلق لکھا ہے کہ وہ تورات میں تحریف کیا کرتے تھے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ مطلب میں سمجھائے دیتا ہوں۔ تحریف کے دو معنی ہیں۔ الفاظ کو بدلنا یا من مانی تفسیر کرنا۔ چونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ تورات اصلی حالت میں موجود تھی اس لئے تحریف کا دوسرا مفہوم لیا جائے گا۔ یہود کا دوسرا جرم یہ بیان ہوا ہے کہ وہ کتاب لکھ اسے اللہ کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔ کتاب کے معنی ہیں تحریر۔ مطلب یہ کہ وہ اپنی اغراض کو پورا کرنے کے لئے کوئی تحریر لکھ کر کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ بھی الہامی ہے۔ جس طرح مسلمانوں نے لاکھوں احادیث گھڑ کر اپنی اغراض پوری کیں۔ اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس طرح تحریرات کو جزو تورات بنا دیا کرتے تھے۔

ان تفاصیل کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں کہ عہد رسول صلعم میں تورات اصلی حالت میں موجود تھی۔ اور وہی تورات ہم تک پہنچی ہے۔ اس تورات میں ابن عمرؓ کی ذکر کردہ آیت کہیں موجود نہیں۔ اس لئے یہ حدیث ایک تاریخی غلط بیانی ہے اور جعلی ہے۔

چہارم قرآن اور تاریخ ہر دو شاہد ہیں کہ رسول اللہ صلعم نہ لکھ سکتے تھے اور نہ لکھی ہوئی چیز پڑھ سکتے تھے۔ لیکن بخاری میں ہے کہ وہ لکھ سکتے تھے۔ حدیث یوں چلتی ہے کہ جب حضورؐ ذیقعد میں عمرہ کے لئے مکہ تشریف لے گئے تو اہل مکہ نے کچھ پابندیاں عائد کر دیں۔ اور اس سلسلہ میں ایک تحریری معاہدہ ہوا جس کا ایک جملہ یہ تھا "وہ معاہدہ

ہے جسے محمد رسول اللہ تسلیم کرتے ہیں" کفار مکہ نے "رسول اللہ" کے لفظ پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم آپ کو رسول ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے معاہدہ کریں۔ آپ نے حضرت علی سے فرمایا کہ "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دو۔ علی نے جواب دیا

قال لا واللہ لا امحوک ابدا فاخذ رسول اللہ صلعم الکتاب فکتب ھذا ماقاضی محمد بن عبداللہ .... الخ

علی نے جواب دیا ، خدا کی قسم میں آپ کے نام سے رسول کا لفظ کبھی جدا نہیں کروں گا۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے وہ کاغذ اٹھا لیا اور اس پر لکھ دیا " یہ وہ فیصلہ ہے جسے محمد بن عبداللہ تسلیم کرتے ہیں" ... الخ

(بخاری جلد 2 ص 75)

بخاری کی ایک اور روایت (ج2 ص 135) بتلاتی ہے کہ حضور نے رسول اللہ کا لفظ کھرچ ڈالا تھا۔ اور کاتب نے "ابن عبداللہ" کے لفظ کا اضافہ کر دیا تھا۔ اسی حدیث پر باقی محدثین اعتماد کرتے ہیں۔

اور تاریخ بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ اس لئے "لکھنے " والی حدیث صحیح نہیں۔

بعض شارحین بخاری نے فکتب کے معنی فامر بکتابۃ کئے ہیں اور یہ وہ معنی ہیں جو کسی لغات میں نہیں ملتے۔

نواں باب

حضورؐ کی تصویر حدیث میں

قرآن میں حضورؐ کے متعلق ارشاد ہے۔

انک لعلی خلق العظیم اے رسول تمھارا کردار عظیم الشان ہے۔

کیوں عظیم الشان نہ ہو۔ ہمارا رسول قائم اللیل، صائم الدہر، شب کو زاہد ،دن کو غازی ، تمام عمر کفر کے خلاف معرکہ آرا رہا۔ اس پر قرآن اترا۔ اس نے اللہ کا نام بلند کیا۔ یتیموں کو سنبھالا۔ بیواؤں کو نوازا ، غریبوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا۔ گرے ہوؤں کو اٹھایا۔ گڈریوں کو قیصر کسریٰ کے تخت پہ بٹھایا۔ شرابیوں کو پاکباز ، بیکاروں کو کارساز ، لٹیروں کو پاسبان اور جاہلوں کو نکتہ دان بنا دیا۔ وہ ظلم سہتا مگر اف نہ کرتا۔ گالیاں سنتا اور تُف نہ کہتا۔نہ دولت کی دھن ، نہ منصب کی خواہش، نہ قیادت کا شوق، نہ آرائش کا ذوق۔ جو مل گیا کھا لیا، جو میسر ہوا پہن لیا ، جہاں جگہ ملی لیٹ گئے۔ گھر کا اثاثہ صرف ایک چارپائی ، ایک چکی اور ایک سرہانہ

جس میں کھجوروں کی چھال بھری ہوئی تھی۔ لباس کھدر کا صرف ایک جوڑا۔ بکریوں کا دودھ خود دوہتے۔ جوتوں کی مرمت خود کرتے۔ ہر مریض کی عیادت کو جاتے۔ ہر جنازے میں شامل ہوتے۔ اندھوں کو راہ پر ڈالتے۔ مزدوروں کا بوجھ اٹھواتے۔ دکھیوں کا سہارا بنتے۔ ناواقف کو پہلے سلام کہتے۔خوشامد سے نفرت کرتے۔ نمائش کو برا جانتے۔ مجسم

نیکی ، مجسم رحمت فخر مسلماں ۔ نازش آدم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ درست کہا تھا حضور نے

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے ۔ (موطا ص 359)

حضور کے یہی وہ بلند پاکیزہ اوصاف تھے جنھوں نے مغرور و خود پسند عربوں کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر سرورعالمؐ ان اوصاف کے مالک نہ ہوتے ، ان میں ذرہ بھر لالچ ، تھوڑی سی خود پرستی، اور ان کے عظیم الشان اعمال میں خود غرضی کی ذرا سی بھی آمیزش ہوتی تو آپ کو قطعاً یہ کامیابی حاصل نہ ہوتی۔ آپ کی خاطر نہ دنیا سر کٹاتی اور نہ زندگی بھر کا اثاثہ آپ کے قدموں پہ لا ڈالتی۔ بلند کردار ایک زبردست قوت ہے اور اسی کے بل پر حضورؐ نے نہ صرف لاکھوں دلوں کومسخر کر لیا تھا بلکہ ایک ایسی سلطنت کی بنیاد ڈال دی تھی جو اقل قلیل مدت میں ملتان سے پیرس تک وسیع ہو گئی تھی۔ سچ ہے۔

فکر چوں عریاں شود زیر سپہر

از نہیب او بلرزد ماہ و مہر

فقر عریاں گرمی بدر و حنین

فقر عریاں بانگ تکبیر حسین

بےپاں را ذوق پروازے دہد

پشہ را تمکین شہباز ےدہد

برگ و سازاوزقرآن عظیم

مرد درویشے نہ گنجد در گلیم!

(اقبالؒ)

اس میں کلام نہیں کہ حضورؐ کے ان اوصاف جمیلہ کا شہرہ صرف احادیث کی بدولت ہوا۔ اور ہم احادیث کے اس گراں بہا ذخیرے پہ ہمیشہ ناز کرتے رہیں گے۔ لیکن بعض ایسی احادیث بھی ہیں جو کائنات کے اس محسن اعظم کا کردار معیوب شکل میں پیش کرتی ہیں۔ اتنا معیوب کہ ہم شرم سے کسی کو بتا بھی نہ سکیں۔ درست کہا تھا مولانا عبیداللہ سندھی نے کہ میں کسی نو مسلم یورپین کو صحیح بخاری نہیں پڑھا سکتا اور اس کی وجہ میں مجلس عام میں نہیں بتا سکتا۔

(الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر 285)

وہ وجہ کیا تھی؟ آئیے ہم آج اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں روزے کی نہایت عمدہ تشریح درج ہے۔

الصیام جنۃ فلایرفث ولا یجھل و ان امراء قاتلۃ او شاتمہ فلیقل انی صائم مرتین و الذی نفسی بیدہ لخلوف فم الصائم اطیب عنداللہ من ریح المسک وانہ یترک طعامہ و شرابہ و شہواتہ من اجلی۔

روزہ گناہ کے خلاف ایک ڈھال ہے ۔ روزہ دار کو چاہیے کہ وہ نہ تو منہ سے کوئی بری بات نکالے اور نہ کسی سے الجھے۔ اگر کوئی شخص گالیاں دے یا لڑ پڑے تو اسے دو مرتبہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں (اس لئے تمھیں جواب نہیں دے سکتا) خدا کی قسم اللہ کو روزے دار کے منہ

کی خوشبو مشک سے زیادہ پسند ہے اس لئے کہ وہ کھانا پینا اور شہوات اللہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ (بخاری کتاب الصوم)

ایک اور حدیث دیکھئے ۔

من لم یدع قول الزور و العمل بہ لیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ و شرابہ

جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ اور فریب کاری سے باز نہیں رہ سکتا اسے کہہ دو کہ اللہ کو اس کی بھوک اور پیاس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ (بخاری کتاب الصوم)

ان احادیث سے روزہ کا فلسفہ واضح ہو گیا۔ یعنی پورے تیس دن تک ہر قسم کی بدزبانی ، بدکاری اور شہوات سے دور رہ کر اپنے اخلاق اور روحانیت کو بلند کرنا اور اپنے آپ کو جفا کش بنانا۔ اس لئے کہ ہر مسلمان کو ہر آب و ہوا اور ہر قسم کے حالات میں کفر کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ اگر ایام امن میں اسے جفاکش نہ بنایا گیا تو وہ جنگ کی سختیاں نہیں جھیل سکے گا۔

آئیے ذرا دیکھیں کہ حضور پر نور کے متعلق صحیح بخاری میں کیا لکھا ہے۔

عن عائشہ قالت کان النبی صلعم یقبل و یباشی و ھو صائم

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلعم روزہ رکھ کر اپنی ازواج کے بوسے لیتے اور ان سے مباشرت فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری ص 226)

مباشرت کے معنی ہیں مجامعت اور بوس و کنار وغیرہ۔ لیکن اس حدیث میں مباشرت سے مراد کیا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کی زبانی سنئیے۔

آپ صحیح مسلم کی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فتح الملہم (جلد 1 ص 456) میں فرماتے ہیں۔

المباشرة فوق السرة و تحت الرقبة بالذکر و القبلة اوالمعانقة او اللمس وغیر ذالک حلال باتفاق المسلمین

روزہ رکھ کر عورت کے ساتھ ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے مباشرت کرنا یعنی اسے چھونا ، چومنا، گلے لگانا اور آلہ تناسل کا استعمال کرنا مسلمانوں کے ہاں باتفاق آرا حلال و جائز ہے۔

یہ حدیث کئی طرح سے محل نظر ہے۔

اول: روزے کا مقصد شہوت کو ترک کرنا ہے۔ نہ کہ بوس و کنار اور گھٹنوں سے نیچے آلہ تناسل کا استعمال۔

دوم: یہ حدیث اوپر والی دو حدیثوں سے متصادم ہوتی ہے۔

سوم: گناہ اور محرکات گناہ ہر دو سے بچنا ضروری ہے۔ ایک بد معاش کی مجلس اسی لئے بری ہے کہ وہ محرک گناہ ہے۔ کسی رنڈی کے ہاں گانا سننا اسی لئے معیوب ہے کہ وہ محرک زنا ہے۔ کیا رمضان میں بوس و کنار جماع کا شدید محرک نہیں؟آپ اپنے آپ کو دیکھئے ۔ کسی سے پوچھئیے اور انصافاً کہیے کہ کتنے شوہر بیوی کو چومنے چاٹنے اور گلے لگانے کے بعد جماع سے بچ سکے ہیں؟ روزے میں بوس کنار کی ترغیب دینا اور پھر اس کے نتائج پر قابل عقوبت ٹھہرانا تقاضائے انصاف نہیں۔

یہی وہ حدیث ہے جس نے مجھے احادیث سے بد ظن کیا۔ اور اس کتاب کی محرک بنی۔ میں نے اس حدیث پر ہر قسم کے آدمیوں سے تبادلہ

خیالات کیا۔ مثلاً ہمارے علماء۔ مُلا۔، پروفیسر۔ معلم۔ انگریزی تعلیم یافتہ اور عوام۔ صحیح المذاق علماء نے کہا ادب کا تقاضا تو یہی ہے کہ خاموش رہیے۔ پروفیسر معلم اور انگریزی تعلیم یافتہ کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے اور عوام غضب سے کھولنے لگے کہ سرور کائنات کی ذات پر یہ حملہ ؟ لیکن مُلا ہر مقام پر یہی کہتا نظر آیا کہ حدیث درست ہے اور حضورؐ یہ کام کیا کرتے تھے۔ اگر مجھ پر اعتبار نہ ہو تو خود یہ حدیث سنا کر دیکھ لیجئے۔

سوال ممکن ہے کہ آپ یہ کہیں کہ حضورؐ کو اپنے آپ پر زبردست ضبط حاصل تھا۔ ان کی مباشرت محرک جماع نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے ان کا یہ عمل قابل اعتراض نہیں۔

جواب رسول اللہ صلعم کا پر عمل امت کے لئے واجب التقلید ہے ۔ مانا کہ رسول اللہ صلعم ضبط کی نعمت سے بہرہ ور تھے۔ لیکن امت میں کتنے ایسے لوگ موجود ہیں جو معانقہ وغیرہ کے بعد جماع سے رک سکیں گے۔ یہی وجہ ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ اس حرکت سے روکا کرتے تھے۔

عن نافع ان عبداللہ بن عمرو کان ینھی عن القبلۃ

نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرو روزے کی حالت میں مباشرت اور بوس و کنار سے روکتے تھے۔

(موطا ص89)

حضرت عروہؓ بن زبیر کا قول ہے کہ

لماری القبلۃ للصائم تدعواالی الخیر

میری رائے یہ ہے کہ روزے میں بوسہ بازی کبھی اچھا نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ (موطا ص 89)

امام مالک [43] کے تمام پیرو اسے حرام سمجھتے ہیں۔ ابن المنذر نے اس کی حرمت پر کئی علماء کی آراء جمع کیں ہیں۔ امام محمد اسے مکروہ مطلق سمجھتے ہیں۔

حضرت عائشہ بھی روزے میں مباشرت سے روکا کرتی تھیں۔

قال الاسود قلت لعائشہ ایباشر الصائم قالت لا

اود کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ روزے دار کو مباشرت کی اجازت ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں ۔

(نسائی باب الصیام)

حذیفہ تو اس معاملہ میں یہاں تک محتاط ہیں کہ روزے میں بیوی کا تصور تک بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ فرماتے ہیں

من تامل امراتہ و ھو صائم بطل صومہ

روزہ رکھ کر جو شخص بیوی کا تصور بھی باندھے ، اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (فتح الملہم ص 127)

دیکھا آپ نے کہ ہمارے صحیح الفکر علماء اس مباشرت کے کس قدر مخالف تھے۔ لیکن دوسری طرف ہمارے بعض محدثین اس لذیذ فعل کے اس قدر شائق تھے کہ ایک سے بڑھ کر ایک حدیث لکھتے چلے گئے۔ امام بخاری اور مسلم نے تو صرف بوس و کنار اور گھٹنوں سے نیچے

[43] ملاحظہ ہو فتح الملہم جلد 3 ص 126

استعمال آلہ تناسل کی اجازت دی تھی۔ ابو داؤد ایک قدم اور آگے گئے۔ کہتے ہیں۔

عن عائشۃ ان النبی کان یقبلھا و یمص لسانھا و ھو صائم

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ روزہ رکھ کر مجھے چومتے اور اور میری زبان چوستے تھے۔

کیا ابو داؤد کو فقہ کا یہ معمولی سا مسئلہ بھی معلوم نہ تھا کہ کھانے پینے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے؟ کیا زبان چوسنے سے دوسرے کا تھوک اپنے تھوک میں مل کر پیٹ میں نہیں چلا جاتا؟ اور کیا اس صورت میں روزہ باطل نہیں ہو جاتا؟

ایک اور سنیئے ۔

ان عائشۃ بنت طلحہ کانت عند عائشۃ رضی اللہ عنھا فدخل علیھا زوجھا و ھو عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق و ھو صائم فقالت لہ عائشہ ما یمنعک ان قد لو من اھلک فتقبلھا و تلا عبھا فقال اقبلھا و انا صائم قالت نعم

عائشہ بنت طلحہؓ حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ اوپر سے اس کا شوہر عبداللہ ، حضرت ابو بکر کا پوتا آ گیا۔ اس نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ حضرت عائشہ فرمانے لگیں تمھیں اپنی بیوی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے اور اسے چومنے سے کیا چیز روک رہی ہے۔ پوچھا کیا میں روزے کی حالت میں ایسا کر سکتا ہوں؟ کہا ! ہاں۔ (موطا ۔مالک ص 89)

ایک طرف تو عائشہؓ اسود کو روک رہی تھیں اور دوسری طرف عبداللہ کو کسی استفسار کے بغیر بوس و کنار کی ترغیب دے رہی ہیں۔

میری ناقص رائے میں یہ دونوں احادیث ناقابل اعتماد ہیں۔

اول: اس لئے کہ ایک دوسرے سے متصادم ہوتی ہیں۔ **اذا تعارضاتساتظا** ۔ جب دو قول ایک دوسرے ٹکرا جائیں تو دونوں درجہ بہ درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

دوم: اس لئے کہ حیا عورت کی فطرت ہے۔ ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ حضرت عائشہ غیر مردوں کو اپنے گھر میں اور وہ بھی روزے کی حالت میں بوس و کنار کی ترغیب دیتی تھیں۔ کیا اس کام کے لئے رات کافی نہ تھی۔ کیا روزے میں بوس کنار اتنا ضروری فعل تھا کہ اگر رہ جاتا تو پوری پہ تباہی آ جاتی۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ احکام اسلام کی تبلیغ ازواج مطہرات کا بھی کام تھا۔ لیکن یہ مباشرت کہاں کا حکم تھا؟ اور ساری قوم میں حضرت عائشہؓ کو کیا پڑی تھی کہ مباشرت کی تلقین کرتی پھریں۔ آخر حضور علیہ السلام کے حرم میں دس اور ازواج بھی تھیں۔ ہر صحابی کے گھر میں ایک ایک بیوی تھی۔ خود صحابہ کے منہ میں بھی زبان تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ مباشرت کی اکثر احادیث حضرت عائشہ سے منقول ہوئیں۔ مجھے تو یوں نظر آتا ہے کہ دشمنان اسلام نے حضرت عائشہ اور حضور علیہ السلام کے وقار کو کم کرنے کے لئے یہ احادیث وضع کیں اور ہمارے محدثین نے انھیں صحیح سمجھ کر اپنے مجموعہ میں شامل کر لیا۔

<u>مباشرت در حیض</u> قرآن شریف میں مذکور ہے کہ

یسئلونک عن المحیض قل ھواذی فاعتز لو النساء فی المحیض . . . . من حیث امرکم اللہ

لوگ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دیجئے کہ حیض ایک قسم کی غلاظت ہے اس لئے دوران حیض میں بیویوں سے دور رہیے۔ اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب مت جائیے اور پاک ہونے کے بعد ان سے مباشرت کیجئے۔

اس آیت میں دو حکم دئیے گئے ہیں اول حیض کی حالت میں عورتوں سے دور رہیے۔ دوم ان کے قریب تک مت جائیے۔ذرا دیکھیں کہ حدیث نے اس "قریب و دور" کی کیا تشریح کی ہے۔

عن عائشۃ . . . . کان یامرنی فاتزر فیبا شرنی و انا حائض

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حیض کی حالت میں رسول اللہ صلعم مجھے تہ پوش پہننے کا حکم دیتے اور اس کے بعد مجھ سے مباشرت کرتے۔ (بخاری کتاب الحیض جلد 1 ص 44)

اس سے اگلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے

"عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضور حیض کی حالت میں مباشرت کا ارادہ فرماتے تو پہلے ایک تہ پوش پہنا دیتے اور پھر مباشرت کرتے"

یہ ہے "قریب و دور" کی تشریح حدیث میں۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہاں مباشرت سے مراد صرف بوس کنار وغیرہ ہے اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضور صلعم ضبط نفس کی نعمت سے بدرجہ کمال بہرہ ور تھے لیکن یہ باتیں حضور صلعم کی شان میں بہت بعید معلوم ہوتی ہیں۔علاوہ ازیں محرکات گناہ سے بچنا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا گناہ سے۔ اور

اسی لئے قرآن نے بار بار کہا ہے "حدود الٰہی کے قریب مت جاؤ" فواحش کے قریب مت جاؤ" مشہور حدیث ہے

من حام حول الحمیٰ و قع فیہ

چراگاہ کے ارد گرد گھومنے والا جانور عموماً چراگاہ میں گھس جاتا ہے۔

یعنی جو شخص ممنوعات کے قریب قریب رہتا ہے وہ ان کا ارتکاب بھی کر سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے گناہوں کے قریب جانے تک سے روک دیا۔

ایک اور حدیث ہے۔

الحلال بین و الحرام بین و بینھما مشتبھات لا یعلم ما کثیر من الناس فمن اتقیٰ المشبھات استبراء لدینہ ومرضہ

حلال و حرام کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ لیکن ان دونوں کے درمیان ایسے پریشان کن مقام آ جاتے ہیں جن کی حقیقت سے عام نا آشنا ہوتے ہیں۔ تو جو شخص ایسے مقامات سے بچے وہ اپنے دین اور عزت کو بچا لیتا ہے۔

(بخاری جلد 1 ص 13)

گو حضور صلعم اس معاملے میں سخت محتاط واقع ہوئے تھے۔

واللہ انی لا تقالم للہ واعلمکم بحدودہ

خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا اور اس کی حدود کو پہچانتا ہوں (موطا ص 84)

لیکن اس حدیث پر عمل کرنے والا ایک عام آدمی گناہ مجامعت کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

ہمارے علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث دراصل یہود کی تردید تھی ۔ جو دوران حیض عورت کو نجس سمجھ کر اس سے چھو جانا بھی گناہ سمجھتے تھے۔ مان لیا۔ اس تردید کے لئے اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا کہ عورت حیض میں ناپاک نہیں ہوتی۔ آپ اس کا پکایا ہوا کھا سکتے ہیں اس کے ہاتھ سے پانی لے کر پی سکتے ہیں وہ ہر چیز کو چھو سکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیا مباشرت کئے بغیر یہودی عقیدہ کی تردید نہیں ہو سکتی تھی۔

امام مالکؒ نے بھی یہ احادیث نقل کی ہیں۔ لیکن حضورؐ کی طرف سے مباشرت منسوب نہیں کی۔ صرف بوسے کا ذکر کیا ہے۔ بدیگر الفاظ امام مالک بھی یہ سمجھتے تھے کہ مباشرت (جس کا مفہوم وسیع تر ہے) کی نسبت حضور والا صفات کی طرف مرادف تنقیص ہے ۔

اور سنیئے۔

"ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں اور حضرت عائشہ کا بھائی حضرت عائشہ کے پاس گئے۔ ان کے بھائی نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلعم کس طرح غسل فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ نے پانی سے بھرا ہوا ایک برتن منگوایا۔ جس سے آپ نے غسل کیا اور سر پر بھی ڈالا۔ درمیان میں ایک پردہ تھا۔ (بخاری جلد 1 ص 39)

سوال یہ ہے کہ آیا یہ دونوں اس پردے میں سے حضرت عائشہ کو غسل کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو غسل رسول کی نمائش کرنے کا مقصد کیا تھا؟ اور اگر اثبات میں ہے تو پھر

وائے گر درپس امروز بود فردائے

کیا کوئی مسلمان یہ برداشت کر سکتا ہے کہ اس کی بیوی ایک پردہ تان کر سارے محلہ کو "شرعی غسل" کا طریقہ بتائے؟ کیا رسول اللہ صلعم کی اپنی آنکھیں اس منظر کو برداشت کر سکتی تھیں؟ اور کیا یہ اتنا مشکل مسئلہ تھا کہ عملی نمونہ پیش کئے بغیر سمجھایا نہیں جا سکتا تھا؟

ذرا اس حدیث کے الفاظ سنیئے ۔

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلعم اذا حبلس بین شعبھا الاربع ثم جھد ھا فقد و جب علیہ الغسل وان لم ینزل

ابو ہریرۃ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلعم نے فرمایا جب کوئی مرد عورت کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھ کر زور لگانا شروع کر دے تو اس کے لئے نہانا ضروری ہو جاتا ہے چاہے انزال ہو یا نہ ہو۔

اس بحث کو جانے دیجئے کہ کئی احادیث کی رو سے غسل فرض نہیں۔ (تفصیل گذر چکی ہے) حدیث کی زبان دیکھئے کہ ماشاء اللہ کتنی پاکیزہ اور شستہ ہے۔

ان اقوال کو ان افصح العرب و العجم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی جرات اس خاکسار میں تو نہیں کوئی اور کرتا ہے تو کرتا پھرے وعلیھا ما اکتسبت وہ اپنے اعمال کا خود جواب دے گا۔

حضرت صفیہ کا نکاح حضرت صفیہؓ جنگ خیبر کے اسیروں میں شامل تھیں۔ ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ خود چن لو۔ اس نے حضرت صفیہ کو منتخب کیا۔ بعد میں کسی نے کہا کہ یہ ایک رئیس کی بیٹی ہے اسے لونڈی بنا کر اس سے خدمت لینا ظلم ہے۔ اس لئے حضور اسے حرم نبوی میں داخل کر لیں۔ حضورؐ نے یہ تجویز مان لی اور اسے آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ بات

سیدھی سادی تھی اور تمام احادیث میں یہ واقعہ اسی طرح بیان ہوا ہے۔ لیکن بخاری کی ایک روایت میں اس واقعہ کو یوں مسخ کیا گیا ہے کہ یہ تمام داستان ہجو بن کر رہ گئی ہے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ

... ثم قد منا خیبر فلما فتح اللہ علیہ الحصن ذکر لہ جمال صفیہ بنت حی بن اخطب وقد قتل زوجھا وکانت عروساً فا صطفا ھا رسول اللہ لنفسہ .... الخ

.. کہ پھر ہم خیبر میں آئے جب اللہ کے فضل و کرم سے حضور نے قلعہ خیبر کو فتح کر لیا تو کسی نے صفیہ بنت حی کے جمال کا ذکر کیا۔ نیز کہا کہ اس کا خاوند مر چکا ہے اور وہ ابھی دلہن ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلعم نے اسے اپنے لئے پسند کر لیا... الخ

یعنی رسول اللہ صلعم نے کسی اور خیال سے نہیں بلکہ صفیہ کے حسن کی وجہ سے اسے اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا۔

سیرت رسولؐ کا ایک اور منظر احادیث اور کتب سیرت میں مذکور ہے کہ حضورؐ کی کل گیارہ ازواج تھیں۔ جن میں سے دو یعنی خدیجہ الکبریٰ [44] اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ[45] فوت ہو چکی تھیں اور نو باقی تھیں۔ جو علیحدہ علیحدہ مکانات میں رہتی تھیں۔ حضور ہر گھر باری باری جاتے یعنی ایک رات حضرت عائشہ کے ہاں گزارتے دوسری حضرت صفیہ کے ہاں، تیسری حضرت میمونہ کے ہاں۔ وقس علیٰ ہذا۔ اگر کسی وجہ سے حضور اپنے اس دستور العمل میں کوئی رد و بدل کرنے پر مجبور ہو جاتے تو جس کی باری ہوتی اس سے اجازت حاصل کر لیتے۔

---

[44] سال وفات 11 رمضان 10 نبوی۔ یعنی ہجرت سے اڑھائی سال پہلے

[45] سال وفات 3ھ۔

اس تمہید کے بعد قول سنیئے۔

عن قتادۃ عن انس بن مالک قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدور علی نسائہ فی الساعۃالواحدۃ من اللیل و النہار و ھن احدی عشرۃ قال قلت لانس اوکان یطیقہ قال کنا فتحدث انہ اعطی قوۃ ثلاثین رجالاً

قتادہ کہتے ہیں کہ مجھے انس بن مالک نے بتایا کہ رسول ؐ دن ہو یا رات ایک ہی وقت میں اپنی گیارہ بیویوں پر گھوم جایا کرتے تھے۔ یعنی ان سے مجامعت فرمایا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلعم میں اتنی طاقت تھی؟ کہا ہم عموماً یہ باتیں کیا کرتے تھے کہ آپ میں تیس مردوں کی طاقت تھی۔ (بخاری)

ملاحظہ کیا آپ نے حضورؐ کی یہ دلچسپ تصویر۔ اس کی مزید تشریح مشکوٰۃ (جلد 1 ص 49) کی اس حدیث میں ہے کہ حضور صلعم تمام بیویوں سے ایک ہی غسل میں جماع فرمایا کرتے تھے۔

یہ جدول ملاحظہ ہو۔

زوجہ مطہرہ کا نام	پہلے شوہر کا نام	پہلے شوہر سے اولاد	حرم نبوی میں کب آئیں	تاریخ وفات	رسول اللہ سے اولاد
خدیجۃ الکبریٰ	ابو ہالہ بن زراہ اور عتیق بن عائد مخزومی	ہالہ و ہند ہند	بعثت سے پندرہ سال پہلے یعنی 595ء میں	11 رمضان سن 10 نبوی (620ء)	فاطمہ زینب رقیہ ام کلثوم قاسم طیب عبداللہ طاہر بچوں کے متعلق اختلاف ہے۔
سودہ بنت زمعہ	سکران بن عمرو	عبدالرحمن	سن 10 نبوی	22 ہجری	ندارد
عائشہ بنت ابی بکر	----	----	سن 10 نبوی	57 ہجری	ندارد
حفصہ بنت عمر	قیس بن حذافہ	نا معلوم	2 ہجری	45 ہجری	ندارد
زینب بنت خویمہ	عبداللہ بن جحش	----	3 ہجری	3 ہجری	ندارد
ام سلمہ بنت ابی امیہ سہیل	----	وفات شوہر کے وقت حاملہ تھیں	4 ہجری	61 ہجری	ندارد
زینب بنت حجش	زید بن حارثہ	علی داماممہ	5 ہجری	22 ہجری	ندارد
جویریہ بنت حارث بن فرار	منافع بن صفوان	----	5 ہجری	50 ہجری	ندارد
ام حبیبہ بنت ابی سفیان	عبید اللہ بنت حجش	عبداللہ اور حبیبہ	6 ہجری	44 ہجری	ندارد
میمونہ بنت حارث	مسعود بن عمرو	----	7 ہجری	51 ہجری	ندارد
صفیہ بنت حی بن اخطب	سلام بن مشکم	----	7 ہجری	50 ہجری	ندارد

کے عین مطابق ہیں بلکہ وہ آنحضرت صلعم کی حیات مطہرہ کی مکمل تصویر پیش کرتی ہیں۔ صحابہ کرام کی جرات ، شجاعت ، ایثار ، سرفروشی، خدمت خلق ، حرارت ایمانی، عشق رسول، تقوی، اور نظم و ضبط کی حیات انگیز

داستانیں سناتی ہیں۔ اس عہد کے تمدن پر مکمل روشنی ڈالتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ اسلام کی حیرت انگیز ترقی کے اسباب کیا تھے ؟ اکاسرہ کیوں مٹ گئے ؟ قیاصرہ کو کیوں شکست ہوئی ؟ مٹھی بھر مسلمان سند کے ریگستان سے فرانس کی عشرت گاہوں تک کیسے چھا گئے؟ لٹیرے فرمانروا کیسے بن گئے؟ گڈرئیے اورنگ جہانبانی پہ کیسے جا بیٹھے ؟ وحشی فلسفہ و حکمت کا درس کیسے دینے لگے ؟ شرابیوں اور جواریوں میں اس بلا کی پاکیزگی کہاں سے آ گئی ؟ 630 بتوں کے پجاری ایک خدا ، ایک قبلہ، ایک مرکز اور ایک نصب العین کے تخیل پہ کیسے متحد ہو گئے ؟

یہ تمام تفاصیل حدیث میں ملتی ہیں۔ اور یہی وہ بیش بہا سرمایہ ہے جس پہ ہم نازاں ہیں۔ اور جس سے اب تک کروڑوں غیر مسلم متاثر ہو چکے ہیں۔ مولانا شبلی کے "الفاروق" کا ماخذ یہی احادیث تھیں۔ اور یہ وہ کتاب عظیم ہے جو اس وقت تک لاکھوں کیریکٹر (کردار) بنا چکی ہے۔ اگر عہد رسول کے ایک فرد کی سیرت اس قدر انقلاب پیدا کر سکتی ہے تو اندازہ لگائیے کہ اگر احادیث کے تمام کردار اسی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کر دئیے جائیں تو نتائج کس قدر حیرت انگیز ہو سکتے ہیں۔

<u>وحی خفی کا مسئلہ</u>

ہم صفحات گذشتہ میں کئی آیات سے یہ واضح کر چکے ہیں کہ حضور پر بذریعہ وحی صرف قرآن نازل ہوا تھا۔ اور آپ کا کوئی اور قول وحی کا درجہ نہیں رکھتا۔ چونکہ قرآن میں صرف مہمات مسائل سے بحث کی گئی ہے اور چھوٹی موٹی تفاصیل کو انسانی عقل پر چھوڑ دیا گیا ہے اس لئے حضور تمام غیر الہامی مسائل میں صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ حضور کی ہر حرکت ، ہر قول اور ہر اقدام تابع وحی ہوا کرتا ہے تو پھر "شاورھم" (تم صحابہ سے مشورہ کر لیا کرو) کی ہدایت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے کہ وحی (خدائی ہدایت) کے متعلق مشورہ لینا خدا کی توہین ہے۔ مشورے میں موافق و مخالف دونوں قسم کی آزادی دی جاتی ہے۔ اور کسی صحابی میں یہ ہمت کہاں کہ وہ خدائی ہدایت کی موجودگی میں اپنی رائے کا اظہار کرتا۔ احادیث میں کئی ایسے واقعات موجود ہیں کہ حضور نے کچھ کہا، صحابہ نے کچھ اور مشورہ دیا۔ اور وحی نے صحابہ کی تائید کر دی۔ اسیران بدر کا واقعہ آپ کے سامنے ہے۔ کہ حضور نے فدیہ لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ حضرت فاروق نے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ اور اللہ نے حضرت عمر کی تائید فرما دی۔ اگر حضور کا ہر قول یا ہر فیصلہ وحی ہوتا تو حضور مشورہ کیوں لیتے ؟ صحابہ فیصلہ رسول کے خلاف رائے کیسے دے سکتے تھے؟ اور پھر قرآن صحابہ کی تائید کیوں کرتا؟ یہ نا ممکن ہے کہ اللہ پہلے تو اسیران بدر سے فدیہ لینے کی وحی نازل کرتا اور دو منٹ بعد حضور سے جواب طلب کرتا کہ تم نے فدیہ کیوں لیا ہے۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ اللہ نے قرآن میں صرف اہم قوانین و ضوابط ست بحث کی ہے۔ اور غیر اہم مسائل انسانی اجتہاد پہ چھوڑ دئیے ہیں۔ آنحضرت صلعم تمام ایسے معاملات میں اجتہاد سے کام لیا کرتے تھے۔

اور احادیث کا بیشتر حصہ انھی اجتہادات پر مشتمل ہے۔ یہ فرض کر لینا کہ رسول اللہ صلعم

ملکہ اجتہاد سے عاری تھے اور وحی کے بغیر کچھ نہ سوچ سکتے تھے اور نہ کر سکتے تھے ، رسالت پناہ کی توہین ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کے متعلق یہ کہہ دے کہ آپ ہر معاملہ میں اپنے کسی دوست یا بیوی کے مشورے پہ چلتے ہیں تو کیا آپ اسے اپنی توہین نہیں سمجھیں گے ؟

آج سے چند سال پہلے مجھے ایک ایسے پروفیسر کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق ہوا جو نہایت زندہ دل ، مخلص ، شریف اور بے غرض دوست تھے۔ اور میری ہمسائیگی میں رہتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی وہ مجھ سے بگڑ جاتے۔ اور مہینوں کھنچے رہتے۔ ٹوہ لگانے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ دنیا کے ہر معاملے میں رفیق حیات کی ہدایات پر چلتے تھے۔ اگر وہ فرما دیتیں کہ برق سے علیحدہ ہو جاؤ تو وہ مجھ سے بگڑ جاتے اور اگر صلح کا حکم دیتیں تو کسی رسمی تکلف کے بغیر سیدھے میرے پاس چلے آتے۔

ہمارے علماء نے بھی سرور کائنات کے متعلق کچھ اسی قسم کا تصور قائم کر رکھا ہے کہ ان کا ہر قول وحی تھا۔ یعنی روٹی مانگتے (آخر یہ بھی قول ہے) تو وحی کا انتظار کرتے۔ اگر یہ پوچھنا ہوتا کہ میرا دوسرا جوتا کہاں ہے؟ تو جبریل کی راہ دیکھتے رہتے کہ وہ آئے میرے لئے فقرہ تجویز کرے اور میں بولوں۔

تاریخ رسالت کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ کئی ماہ تک وحی کا سلسلہ بند رہا اور کفار نے استہزاً کہنا شروع کر دیا تھا "لو جی ! آپ کی پیغمبری ختم ہو گئی"

آخر چھ ماہ کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں ۔۔

والضحی و اللیل اذا سجی ---- الخ

اور آنحضرت کی پریشانی ختم ہوئی۔ اس چھ ماہ کے عرصے میں حضور نے کوئی بات تو کی ہو گی ؟ سوال یہ ہے کہ آیا وہ قول وحی تھا یا نہیں ؟ اگر تھا تو دریافت طلب امر یہ تھا کہ وحی کا سلسلہ تو مسدود تھا وہ قول وحی کیسے بن گیا ؟ کیا جبریل رات کو چھپ کر چپکے چپکے آ جاتا تھا۔ اور اللہ کو (نعوذ باللہ) خبر نہیں ہونے پاتی تھی ؟ (ممکن ہے وحی خفی کا مفہوم یہی ہو) اور اگر وحی نہیں تھا تو گویا آپ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ حضور کی ہر بات وحی کا نتیجہ نہیں ہوا کرتی تھی۔ اور یہی چیز ہم کہہ رہے ہیں۔ کہ قرآن کے سوا حضور کو کوئی اور چیز بذریعہ وحی نہیں دی گئی تھی۔

اوحی الی ھذا القرآن لا نذرکم بہ (القرآن)

تمھیں گناہوں سے بچانے کے لئے مجھے بذریعہ وحی یہ قرآن دیا گیا ہے۔

اس مضمون پر ایک مشتبہ سی حدیث بھی ملتی ہے۔

"ابو حجیفہ نے حضرت علی سے پوچھا کہ آپ کے پاس قرآن کے سوا کوئی اور وحی موجود ہے ؟ فرمایا ! خدا کی قسم اس صحیفے کے سوا اور اس فہم کے بغیر جو وحی کے متعلق ہر مسلمان کو حاصل ہے ہمارے پاس کوئی اور وحی موجود نہیں" (بخاری جلد 2 ص 117)

میں نے اس حدیث کو مشتبہ اس لئے کہا ہے کہ اس میں حضرت علی قرآن کے علاوہ ایک اور صحیفے کو بھی الہامی سمجھتے ہیں۔ نسائی

میں اس صحیفہ کی تفصیل یہ دی ہوئی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اہل بیت کے لئے چند خاص وصایا ارشاد فرمائی تھیں۔ جو اس صحیفے میں درج تھیں۔ اور جسے حضرت علی نیام ذوالفقار میں رکھتے تھے۔ علامہ صنعانی کہتے ہیں کہ یہ وصایا جعلی تھیں۔ اور ان کا واضع حماد بن عمرو النصیبی تھا۔ سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض وصایا عبداللہ بن زیاد بن سمعان نے تراشی تھیں۔ (تذکرۃ الموضوعات)

بہرحال اس حدیث سے اتنا تو واضح ہو گیا کہ قرآن اور اس فرضی صحیفے کے سوال کوئی اور وحی موجود نہیں تھی ۔ اس لئے احادیث کو وحی خفی کہنا نہ عقلاً درست ہے نا نقلاً ۔

1. وحی متلو اور غیر متلو تحقیقی جائزہ (1)
2. وحی متلو اور غیر متلوتحقیقی جائزہ (2) [قرآن کا مثل ؟]

ایک سلیم الفطرت مسلمان کا وتیرہ ہونا چاہیے کہ وہ ہر ایسی حدیث کو تسلیم کرے جو قرآن سے متعارض نہ ہو۔ خواہ ہو بخاری میں ہو یا کسی مسند میں۔ اور ہر ایسی حدیث کو بلا دریغ ٹھکرا دے ، خواہ وہ بخاری ہی میں درج ہو --

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حدیث کی درستگی اور پہچان کا معیار....
- حدیث کی قبولیت ، قرآن سے مشروط (مودودی ......
- تجدید الاسلام

1۔تعلیمات قرآنی کے خلاف ہو۔

2. قرآن میں تحریف تسلیم کرتی ہو۔
3۔رسول اکرم ، ازواج مطہرات و صحابہ و صحابیات کی توہین کرتی ہو۔
4۔حقائق کونیہ کے خلاف ہو۔
5. انسانی فطرت کو جھٹلاتی ہو۔
6. عقل ، تجربہ اور مشاہدہ کے الٹ ہو۔
7. مسلمہ تاریخی واقعات کی تردید کرتی ہو۔
8. اسلام کے اہم اصولوں مثلاً جہاد و ایثار وغیرہ کی منزلت گھٹاتی ہو۔
9۔رہبانیت اور نفس کشی کو جہاد اکبر قرار دیتی ہو۔
10۔مسلمان کو دنیا سے بےزار کرتی ہو۔
11۔ایک ایک دعا پر لاکھوں محل تقسیم کرتی ہو۔
12. وضو کرنے پر سارے گناہ معاف کرتی ہو۔
13۔دوات کی سیاہی کو ایک لاکھ شہیدوں کے خون سے افضل ٹھہراتی ہو۔
14۔ذکر خدا کو جان و مال کی قربانی سے بہتر قرار دیتی ہو۔
15. سورج کو عرش کے نیچے سجدہ کراتی ہو۔
16۔درختوں کو رلاتی ہو۔
17۔صوم و حیض میں مباشرت کی اجازت دیتی ہو۔
18. طریقت اور پیر گردی پر اچھالتی ہو۔

19- صرف کلمے پڑھنے پر زانی اور چور تک کو جنت میں بھیجتی ہو۔
20- سورج کو شیطان کے سینگوں میں پھنساتی ہو۔
اور جو قرآن کے مشکل اسلام کو چھوڑ کر مُلاؤں کےآسان اسلام کی طرف دعوت دیتی ہو۔

آج دنیائے اسلام قرآن کے ہیبت و قوت والے اسلام سے کٹ کر حدیث کے تسبیحوں ، دعاؤں ، چلوں، وظیفوں ،جنتروں اور منتروں والے اسلام میں آ پھنسی ہے۔ہمارے ائمہ مساجد ہر مسجد میں اور ہمارے واعظین دیہات میں پھر پھر کر دعاؤں ، ڈھیلوں، لاکھ لاکھ حجوں ۔ بہشتوں اور مفت حُوروں والی احادیث سنا سنا کر سارے عالم اسلام کو اپنے رنگ میں رنگ چکے ہیں۔ جسے دیکھو مزاروں پہ ماتھا رگڑ رہا ہے۔ کسی پیر کے دام ہمرنگ زمین میں گرفتار ہے۔ رات کو ہُو حق کے نعروں سےسارے محلے کے لئے وبال جان بنا ہوا ہے۔ اٹھتے دعا ، بیٹھتے دعا، سوتے دعا ، جاگتے دعا، آتے دعا، بھاگتے دعا ، کھاتے دعا ، پیتے دعا، مباشرت میں دعا، مجالست میں دعا، کوئی حملہ کر دے تو دعا، مار مار کر پلستر بگاڑ دے تو دعا، یعنی نیچے دعا اوپر دعا۔ اور عمل کے خانے میں صفر۔

اے دعا خوانو ! تم میں کتنے ایسے ہیں جو اللہ کی راہ میں سر کٹانے کے لئے تیار ہیں؟ کتنے ایسے ہیں جو ملت کی سربلندی کے لئے دس روپے بھی بخوشی دے سکتے ہیں ؟ جو سچ بولتے ہیں اور سچے وعدے کرتے ہیں؟ کتنے ایسے ہیں جو خدمت خلق کو اپنا فرض سمجھتے ہیں؟ کتنے ایسے ہیں جو سودے پورے تولتے ہیں ۔ جھوٹ سے بچتے ہیں اور جھوٹی شہادتوں سے اجتناب کرتے ہیں ؟

کتنے ایسے ہیں جن کے تابدار کردار۔ بلند عمل۔ محنت اور اولوالعزمی پہ قوم ناز کر سکتی ہے ؟ کتنے ایسے ہیں جنھوں نے کلچر، تمدن اور تہذیب کی پیشرفت میں کوئی خدمت سرانجام دی ہو؟ کتنے ایسے ہیں جن کے تھانوں پہ چست و چالاک گھوڑے نہایت ٹھاٹھ سے بندھے ہوئے ہیں؟ کتنے ایسے ہیں جن کی تلواروں کی بجلیاں دشمن کے کاشانے پر گرنے کے لئے بے تاب ہوں؟ کتنے ایسے ہیں جو جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود کر اللہ سے ملنے کے لئے بے چین ہوں۔ کوئی نہیں۔ قطعاً کوئی نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو یہ مشکل ہزار میں ایک ۔ کیوں؟ اس لئے کہ ساری امت حدیث کو اسلام سمجھ بیٹھی ہے۔ وہ لاالہ کے نشے میں مست ہے۔ وہ خمار شفاعت میں مدہوش ہے۔ وہ چند دعاؤں کی بدولت جنت کے لاکھوں محلات کی مالک بنی بیٹھی ہے۔ اس کا ہر ورد لاکھوں حج کا ثواب دلاتا ہے۔ اس کا ہر وظیفہ اسے کروڑوں شہدا سے افضل بناتا ہے۔ خدارا بتاؤ کہ جس قوم کی دماغی کیفیت یہ ہو جو اوہام میں سرتاپا ڈوبی ہوئی ہو جو دنیائے حقائق سے لاکھوں فرلانگ دور جا پڑی ہو۔ اس کے پنپنے اور ترقی کرنے کی کیا صورت باقی رہ جاتی ہے۔

اس بدحواسی اور کج دماغی کا علاج صرف ایک ہے۔ کہ وضعی حدیث کی تبلیغ بند کر دی جائے۔ قرآن کو طاق نسیاں سے اتار کر پھر قوم کے سامنے پیش کیا جائے ۔ ملت کو پھر سطوت و جلال کا درس دیا جائے۔ اسے پھر تیر انداز و شمشیر باز بنایا جائے۔ اس کی عیش کوشیوں کو پھر سیلابوں کی تندیوں میں بدلا جائے ۔ اس کے افسردہ و مردہ اعضا میں پھر طوفانوں کا زور اور دھاڑتی ہوئی لہروں کا شور پیدا کیا جائے۔ اور اس طرح اسے ایک ایسی مہیب طاقت بنا دیا جائے کہ اس کی ایک چتون اقوام و ممالک کی تقدیریں بدل ڈالے۔ اور جب اس کے قشون تا ہر

کسی سمت کا رخ کریں تو خوف سے دھرتی کا سینہ دھڑکنے لگے۔ اور ہر طرف سے الامان و الخدر کی صدائیں بلند ہوں۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم !

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں (اقبال)

اور یہ ہے قرآن کا اسلام .

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دو اسلام - تبصرہ

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی تحقیق کا مرکزی نقطہ احادیث کی غیرمحفوظ ترسیل، تحریف، دو صدی بعد "کتب حدیث" کی تدوین ، غلطیوں، محیرالعقول، احادیث، غیر معیاری، قرآن سے اختلاف جیسے نقاط پر مرکوز ہے دوسرے نقطے بھی زیر بحث ہیں- لیکن اہم ترین نقطہ جس تک وہ نہ پہنچ سکے شاید اس لیے کہ ساتھ سترسال قبل انٹرنیٹ نہ تھا بہت سی اہم عربی کتب پاکستان میں اب بھی دستیاب نہیں ان کتب تک ان کی رسائی شاید نہ ہو سکی- مگراس دور کی خصوصیت ہے کہ انٹرنیٹ کی وجہ سے حصول علم و معلومات کا دائرہ بہت وسیع اورآسان ہے- اس موضوع پرکئی سال تحقیق کی اور ضروری کتب و مضامین حاصل کیے، گوگل سے اہم عربی کتب، منتخب مضامین کے سکرپٹ کا اردو / انگریزی ترجمہ کر کہ مفہوم سمجھنا زیادہ مشکل نہیں، کیونکہ گوگل او اردو کی وجہ سے عربی سمجھنا زیادہ مشکل نہیں- زیادہ تر کتب کے انگریزی تراجم امریکہ میں مسلم سکالرز نے کیے ہیں- پاکستانی علماء ایسی قدیم عربی کتب (جن کو مسلمان مورخین و علماء نے لکھا) کے تراجم کیوں کریں گے جن سے ان کے بدعة کی بنیاد پر قائم نظریات و عقائد پر ضرب کاری لگتی ہو- گہرے مطالعہ اور تجزیہ سے حیرت انگیز انکشافات ہوۓ، جو ای بک، مضامین کی شکل میں ویب سائٹس پر اردو اور انگریزی میں شایع کر دیے-

انگریزی جریدہ (Defence Journal) میں 2006 سے مسلسل لکھ رہا ہوں تو پرنٹ میڈیا پر بھی پبلش کر دیا۔

نمازیں ، روزے ، عبادات اور نیک کام بیکار ہیں اگر ایمان خالص نہیں- ایمان میں کوئی ملاوٹ اللہ کو قبول نہیں، اپنے ایمان اور عمل کا ہر نفس خود جوابدہ

ہےاوربروز قیامت اکیلا پیش ہوگا، تجدید الایمان کریں

بریگیڈیئر آفتاب احمد خان (ریٹائرڈ)

https://bit.ly/Aymaan
https://bit.ly/Tejddeed

http://SalaamOne.com/Revival

https://Quran1book.blogspot.com

https://Quran1book.wordpress.com

https://www.facebook.com/IslamiRevival

Download eBook pdf: http://bit.ly/2ul2213

تجدید الایمان https://bit.ly/3mcqnD9 :pdf

WhatsApp Gp@ https://bit.ly/Tejdeed

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لآ اِلَہَ اِلّا اللّہُ مُحَمَّدٌ رَسُوُل اللّہِ

شروع اللہ کے نام سے، ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اس کی مدد چاہتے ہیں اوراللہ سے مغفرت کی درخواست کر تے ہیں. جس کواللہ ھدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اورجس کو وہ اس کی ہٹ دھرمی پر گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ھدایت نہیں دے سکتا- ہم شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، محمد ﷺ اس کے بندے اورخاتم النبین ہیں اور انﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں ہے. درود و سلام ہوحضرت محمّد ﷺ پر اہل بیت، خلفاء راشدین واصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اجمعین پر- دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی (ضَلَالَةٌ) ہے- جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لئے اور جو برائی وہ کرے وہ اس پر ہے، اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا

بریگیڈیئر آفتاب احمد خان (ریٹائرڈ) فری لانس مصنف ، محقق اور بلاگر ہیں- انہوں نے پولیٹیکل سائنس، بزنس ایڈمنسٹریشن، اسٹریٹجک اسٹڈیز میں ماسٹرزکیا ہے او قرآن کریم، دیگر آسمانی کتب، تعلیمات اور پیروکاروں کے مطالعہ میں دو دہائیوں سے زیادہ وقت صرف کیا ہے- وہ 2006 سے "Defence Journal" کے لیے لکھ رہے ہیں- ان کی منتخب تحریریں پچاس سے زائد ای کتب میں مہیا ہیں, علمی و تحقیقی کام کو 4.5 ملین تک رسائی ہو چکی ہے: http://SalaamOne.com/About

E Mail: Tejdeed@gmail.com

انڈکس

1. تعارف
2. تجدید
3. اصول دین
4. ایمان : چھ بنیادی عقائد اسلام
5. ایمان کا تجزیہ
6. اللہ کی نازل کردہ کتب پر ایمان
7. قرآن کے علاوہ کسی اور کتب پر ایمان ؟
8. منکرین قرآن ؟
9. رسولوں پر ایمان
10. تضاد (The Paradox) : انکار رسالت سنت و حدیث ؟
11. أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
12. بدعة گمراہی (وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ')
13. قرآن اور عقل و شعور
14. حدیث کے بیان و ترسیل کا مجوزہ طریقہ (أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ)
15. اہل ایمان کی ذمہ داری
16. مطالعہ تحقیق کے چار مراحل

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﷺ

تجدید الایمان

تعارف

اکثر یہ سوال ہوتا ہے کہ :

1. ہم اس دنیا میں کیوں ہیں؟
2. ہمارا مقصد حیات کیا ہے؟
3. اللہ تعالی ہم سے کیا چاہتا ہے؟
4. نجات اور بخشش کے لیے اہم ترین کام کیا ہیں؟
5. قرآن کی تعلیمات کا خلاصہ کیا ہے؟

اللہ تعالی نے ان اہم ترین سوالات کا جواب قرآن میں مکمل تفصیل سے دیا اور مزید ہماری آسانی کے لیے ان کا خلاصہ صرف تین آیات میں دے دیا: (ترجمہ) زمانے کی قسم ۞ انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے ۞ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے ۞ (قرآن,سورة العصر: 103) [تفصیل لنک[46] پر]

---

https://quran1book.blogspot.com/2021/10/Najaat.html 46

دین و دنیا میں کامیابی کے لیے اول شرط "ایمان" ہے -

ایمان (Faith) کی اہمیت ہرانسان کو معلوم ہے کیونکہ تمام مذاھب، ادیان کی بنیاد ایمان (Faith) پر ہے- ایمان کے بنیادی اجزاء مذاہب کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرتے ہیں- صرف قرآن ہی الله کی آخری، محفوظ کتاب ہے جو اسلام کی بنیاد ہے، قرآن رسول الله ﷺ کے اسوہ حسنہ [1] کو عملی تمونہ role model قرار دیتا ہے (رسول الله ﷺ نے قرآن، سنت اور حدیث کو علیحدہ رکھا[2]) ایمان عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ ’’ا۔ م۔ ن‘‘ (امن)[3] سے مشتق ہے۔ لغت کی رو سے کسی خوف سے[4] محفوظ ہو جانے، دل کے مطمئن ہو جانے اور انسان کے خیر و عافیت سے ہمکنار ہونے کو امن کہتے ہیں۔ ایمان کا لفظ بطور فعل لازم استعمال ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے ’’امن پانا‘‘ اور جب یہ فعل متعدی کے طور پر آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے ’’امن دینا‘‘۔ کسی پر ایمان لانے سے مراد اس کی تصدیق کرنا اور اس پر یقین رکھنا ہے۔ گویا لفظ ایمان اپنے اصل معنی اور مفہوم کے اعتبار سے امن، امانت اور بھروسے پر دلالت کرتا ہے۔

شرعی معنوں میں: (1) دل سے یقین (2) زبان سے اظہار(3) جسمانی طور پر عمل ، کا نام ایمان ہے-

جبکہ اطاعت سے ایمان میں اضافہ اور نافرفانی سے کمی واقع ہوتی ہے لیکن اگر ایمان کے اجزا میں قولی، فعلی طور پر تبدلی کریں تو ایمان کی اصل ، نوعیت ہی تبدیل جاتی ہے، **ایمان کا الٹ کفر ہے۔**

قرآن میں "ایمان" سے متعلق براہ راست 537 مرتبہ ذکر ہے[5]- "مُؤْمِنِينَ" (believers) اہل ایمان کے لیے تسلسل سے استعمال ہوا ہے، مُؤْمِن (202 مرتبہ) اس کے علاوہ الْإِيمَانِ (the faith) بِالْإِيمَانِ (with [the] faith)، مُؤْمِنَةٍ (believing woman) الْمُؤْمِنَاتِ (22 مرتبہ) (believing women) إِيمَانِكُمْ ، يُؤْمِنُونَ (believe)، آمَنَّا (We believe-d) آمِنُوا (Believe)، يُؤْمِنَّ (they believe), يُؤْمِنُونَ (believe) آمَنُوا (believe-d)، ان سب کا تعلق ایمان سے ہے-

تجدید

پہلی صدی حجرہ میں اسلام ہر لحاظ سے کامل و مکمل اور خالص و مُخلَص تھا، پھر اس میں کچھ نقائص اور بدعات داخل ہونے لگیں- کتاب اللہ کی موجودگی میں دین اسلام کی بنیاد " ایمان" میں ایسے اجزا داخل ہو گیے جو بعد میں ایجاد ہوے، ایمان کا حصہ نہ تھے بلکہ اس سے قرآن اور رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا- تجدید ایمان سے مراد یہ ہے کہ دین اسلام میں "ارکان ایمان" کو اس حالت میں لوٹا دینا جس حالت میں وہ عہد نبوی ﷺ و پہلی صدی حجرہ میں تھے- تجدید ایمان ایک ایسا فکری عمل ہے جس سےایمان کو ان تمام بدعات سے پاک کرکے اسے حقیقی(Perfect) شکل میں لایا جایے, یہ "تجدید الاسلام "[6] کا نقطہ آغاز ہے، اس کے بعد باقی بدعات[7] سے نجات حاصل کرنا ہو گی-

اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! ہم اپنے ایمان کی تجدید کیسے کرسکتے ہیں؟ لا الہ الا اللہ کی کثرت کیا کرو-[8]

مسلمان نماز روزہ اور دوسری عبادات ادا کرکہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ کر لیا اب تو جنت ہماری ہے- لیکن ایمان[9] کا شاید ہی کبھی جائزہ لیا ہو کہ کیا ہمارے ایمان کی جڑیں اصل اور مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہیں یا کسی رہزن شیطان نے نقب لگا دی؟ ہر نفس کے ساتھ شیطان ہے:

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ (ق:27-29).

ترجمہ : "اسکا ہم نشین کہے گا (شیطان) اے ہماری رب میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا-

ایمان میں ذرا سا بھی ضعف بربادی کا باعث بن سکتا ہے- ایمان میں کسی شک شبہ کی قطعی طور پرکوئی گنجائش نہیں- ایمان کی مضبوطی میں کمی بیشی ایک فطری عمل ہے لیکن اراکین ایمان کا اصل اور درست ہونا لازم ہے-

مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے ایمان کا بھی جائزہ لیں کہ کہیں کوئی غلطی تو نہیں؟ اگر غلطی محسوس ہو تو اس کی فوری اصلاح کریں:

"کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی" (قرآن 52:38،39)[10]

تجدید الایمان

ایک اللہ ، ایک آخری رسول حضرت محمّد ﷺ ، ایک آخری کتاب ہدایت قرآن —— أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﷺ

اسلام میں بدعتی نظریات[11] کے شامل ہونے کی وجہ سے تجدید اسلام[12] بزریعہ "أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﷺ" کی سخت ضرورت ہے تاکہ ہم گمراہی اور جھوٹ سے نجات حاصل کریں اور رسول اللہ (ﷺ) , خلفاء راشدین اور صحابہ کے دین کامل اسلام پر ایمان لائیں اور اسے بحال کریں-

اصول دین

بنیادی اعتقادات کو "اصول دین"[13] یعنی مذہب کی جڑیں کہا جاتا ہے- اسلام میں اصول دین چھ (6) ہیں جن کو اسلام کی جڑ کہا جاتا ہے- یہ **"ام السنہ" حدیث جبرائیل**[47] سے ملتے ہیں جو قرآن کی **"آیات محکمات"**،**"ام الکتاب" کے مطابق ہیں** (آل عمران,[48] 3:7,[49]) جو تاویلوں سے تبدیل نہیں ہو سکتے-

---

47 https://quran1book.blogspot.com/2022/07/Hadis-Jibril.html
48 https://quransubjects.blogspot.com/2021/03/quran-key.html
49 https://trueorators.com/quran-tafseer/3/7

اسلام کے چھ بنیادی عقائد ایمان اور پانچ ارکان (عملی عبادات) ہیں، جن پر تمام فرقے و فقہ متفق ہیں، شیعہ نے کچھ اضافہ کیا ہے-

ایمانیات و عقائد کے اصول و ذرائع قرآن وسنت ہیں، اس باب میں قیاس اور اندازوں کی گنجائش نہیں ہوتی، کسی بھی بات کو ایمانیات و عقائد کا حصہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بات اللہ اور اس کے رسول سے منقول ہو اور قرآن و سنت میں مذکور ہو، اس طرح سے کہ قرآن و سنت نے اس کو ماننے کا مطالبہ کیا ہے یا قرآن و سنت نے اس کو ماننے کی نسبت اللہ کی جانب کی ہے یا قرآن و سنت نے اس بات کے ماننے کی نسبت انبیا, و رسل اور ان کے پیرکاروں کی جانب کی ہے-

ایمان : چھ بنیادی عقائد اسلام

ان عقائد کا ماخذ قرآن و سنت سے ہے، حدیث جبرائیل میں بھی بیان ہے، ان عقائد میں 1).اللہ تعالیٰ پر ایمان 2) فرشتوں پر ایمان 3) رسولوں پر ایمان 4) اللہ کی نازل کردہ کتب پر ایمان 5).یوم آخرت پر ایمان 6) تقدیر پر ایمان-[14]

ایمان کا تجزیہ

ایمان قلب و باطن کی یقینی حالت کا نام ہے، ایمان کے بنیادی 6 عقائد کا تعلق انسان کی اندرونی کیفیت سے، اگر کوئی زبانی طور پران کو بیان کر تا ہے یا ان پر ایمان کا اقرار کرتا ہے تومعاشرہ میں اسے مسلم سمجھا

جاتا ہے، دلوں کے بھید واللہ اعلم- ان میں سے دو(2) عقائد ایسے ہیں جن کا کسی وقت بھی خود تجزیہ (ٹیسٹ یا چیک) کیا جاسکتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس تجزیہ سے اگاہ ہو سکتے ہیں-

اللہ کی نازل کردہ کتب پر ایمان

ایمان کے عقیدہ نمبر 3) تمام رسولوں پر ایمان اور نمبر4) تمام کتب اللہ ، جن میں آخری کتاب قرآن پر ایمان شامل ہے- یہود و نصاری کی تورات اور انجیل کے علاوہ بہت سی مقدس کتب ہیں، یہود کی تلمود[15] (38جلد)[16] مسیحیت میں عھد نامہ جدید کی 23 کتب جنھیں وہ الہامی کتب [17] (divinely inspired) کا درجہ دیتے ہیں[18] مگر ان پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں کیونکہ الہامی کتب وہ ہیں جن کو قرآن الہامی کتب کہتا ہے،یہود و نصاری کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، رسول اللہ ﷺ، حضرت عمر، علی (رضی اللہ عنھم) کی تنبیہہ کے باوجود علماء نے وحی خفی یا وحی غیر متلو[19] کی بدعة ایجاد کیں (یہ الفاظ نہ قرآن میں نہ حدیث میں) تاکہ کتب احادیث (موجودہ تعداد 75) کو بھی قرآن کا درجہ یا قریب درجہ دیا جا سکے بلکہ دے دیا عملی طور پر- مگر وحی وہ ہے جسے قرآن واضح آیات محکمات سے وحی قرار دے، قرآن جس بات سے منع[20] کرتا ہے اسے تلویلوں، خوابوں[21] اور دلیلوں سے وحی نہیں بنا سکتے- اس قسم کی دھوکہ بازیوں [22]کا دروازہ قرآن نے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے(آل عمران آیت نمبر7)[23] فرقہ واریت اور بدعات

کی بنیاد اس آیت اور قرآن کو متروک العمل[24] (مہجور) کرکہ دوسری "ممنوعہ کتب"[25] کو الہامی درجہ[26] دینے کی وجہ سے پیدا ہوئے ھوئے- 1400 سال سے ارکان اسلام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ، جس کسی نے بھی (جسیے مرزا قادیانی، بہاء اللہ[27]ایرانی نے عقیدہ رسالت، نمبر3 کو چھیڑا تو کافر قراردیئے گۓ، ایمان کے عقیدہ نمر4، کتب اللہ پر ایمان کے متعلق غور کی ضرورت ہے-

قرآن کے علاوہ کسی اور کتب پر ایمان ؟

اگر کوئی شخص قرآن کے علاوہ حدیث کی کتب پربھی ایمان رکھتا ہے (کسی بھی وجہ ، توجیہ ، تاویل کی بنیاد پر) تو وہ سوچ لے کہ پہلی دو تین صدی والے کیا مسلمان نہیں تھے (استغفر الله) جنہوں نے قرآن کے علاوہ کسی کتاب پر ایمان نہ رکھا ؟ اگر وہ مسلمان تھے، یقینی طور پر وہ سب سے بہترین مسلمان تھے تو اس شخص کا ایمان ان سے مختلف ہو گیا، رسول الله ﷺ ، خلفاء راشدین، صحابہ اکرام، تا بعین صرف قرآن پر ایمان رکھتے تھے- اسلام اور ایمان ہم تک ان کے ہی زریعہ سے پہنچا ہے تو ایمان کے عقائد صرف ان کے ہی درست ہیں- ایمان کی تجدید کریں-

کیا کبھی رسول الله ﷺ نے فرمایا کہ "کتب حدیث" پر ایمان لانا؟ ایک ضعیف ، موضوع، من گھڑت حدیث ہی لے آؤ، نہیں ملے گی، 45 میں سے یہ اہم ترین[28]، حدیث کی مشہور کتب لکھنے والوں نے شامل

نہ کی، امام مسلم نے ایک نا مکمل اور مسند احمد(6) داوود (1) ، مگر اصل بات انڈر لائن ہے شامل نہیں کی:

"کیا تم اللہ کی کتاب کے علاوہ کوئی اور کتاب چاہتے ہو؟
اس سے پہلے قومیں (یہود و نصاری) صرف اس لیے گمراہ ہوئیں کہ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ کتابیں لکھیں"

ابوہریرہ نے کہا: یا رسول اللہ ، کیا ہم آپ کے بارے میں بات کر سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا: "ہاں ، میرے بارے میں بات کرو ، کوئی حرج نہیں مگر جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولتا ہے ، اسے اپنی جگہ جہنم میں پاتے "۔ [28a] [رقم ۳۳, تقييد العلم للخطيب][50]

رسول اللہ ﷺ نے اگر حدیث کی کتاب لکھوانی تھیں تودو صدی بعد کسی کو خواب کی بجاتے خلفاء راشدنن کو حکم دیتے وہ قرآن کی تدوین کے بعد یہ کام بھی کر ڈالتے- وہ پیغمبر، نبی, رسول اللہ ﷺ تھے انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کی کچھ بھول، غلطی نہ ہوئی (استغفر اللہ)- رسول اللہ ﷺ تو قرآن کا نمونہ تھے وہ قرآن کے خلاف حکم کیسے دیتے؟ خطبوں میں قرآن کے مطابق فرماتے تھے:

---

50 https://quran1book.blogspot.com/2020/10/hadith-ban.html

فإن خير الحديث كتاب الله و خير الهدى هدى محمد ة شر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة

" یقینا بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے او، بدترین عمل اسلام میں نئے طریقوں کا تعارف ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (وکل بدعة ضلالة)"۔[29]

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا (اللہ نے بہترین حدیث اس کتاب (قرآن) کی شکل میں نازل کیا ہے (قرآن 39:23)[30]

بہترین ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے: جو کہ حدیث کی کتابت سے منع، اپنی اور خلفاء راشدین کی سنت کو پکڑنے کا حکم دیتے ہیں[31]

حدیث کی کتب لکھنا جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا نہ صرف دین میں نئی چیز کا اضافہ ہے، بدعت گمراہی ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور انکار ہے، بغاوت ہے:

"یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی یہ ہرگز ہرگز اللہ کا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے۔ عنقریب ان کے اعمال وہ

غارت کردے گا (32) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو"(قرآن 47:33)

کدھر ہے رسول اللہ ﷺ پر ایمان؟ جو لوگ آپ ﷺ کے حکم کو، قرآن کے حکم کو نہیں مانتے!

جسے اللہ تعالی[32] نے قرآن کا علم دیا اور وہ رات دن اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے[33]رسول اللہ ﷺ نے اس پر رشک کیا-

جو شخص کتاب اللہ کی بجاے کئی دوسری کتب پر ایمان رکھتا ہے اس کا ایمان "قرآن، سنت رسول اللہ ﷺ اور احادیث" کے برخلاف ہے، اسے فوری طورپر اپنے ایمان کی تجدید کرنا چاہیئے-

اصول دین کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے ان کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا-

کس پر حضرت جبریل نازل ہوۓ کہ خاموشی سے عملی طور پر ایمان میں تبدیلی ہو گئی اورسارےعلماء صدیوں سے خاموش کیوں ہیں؟

اس لیے کہ علماء بھی بدعة میں شامل ہیں جو ان کے فرقہ وارانہ نظریات کی آگ کو پٹرول مہیا کرتی ہے یا کسی نے کوشش ہی نہیں کی کہ علم کی گہرائی سے جائزہ لیں؟ سب اندھی تقلید میں چلتے گیۓ؟

رسول اللہ (ﷺ) کے نام پر بغیراتھارٹی، اجازت کے کتب منسوب کرکہ دھوکہ نہیں دیا جا سکتا جبکہ اس کی ممانعت سنت رسول اللہ ﷺ اور

سنت خلفاء راشدین سے بلکل واضح ہے- کیا اب بھی کسی ریفرنس کی ضرورت ہے؟ (ریفرنسز [34]،[35]،[36] کی کمی نہیں)

کس کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی کتاب مدون نہ چھوڑی اور خلفاء راشدین نے صرف قرآن مدون کیا حدیث کومدون نہیں کیا بلکہ منع فرمادیا- تو بحث کی کیا گنجائش ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف درزی کا فتنہ

ۚ فَلۡيَحۡذَرِ الَّذِيۡنَ يُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِهٖۤ اَنۡ تُصِيۡبَهُمۡ فِتۡنَةٌ اَوۡ يُصِيۡبَهُمۡ عَذَابٌ اَ لِيۡمٌ ۝

رسُولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے. (قرآن 24:63)[51]

امام جعفر صادق ؓ نے فتنے کا مطلب " ظالموں کا تسلط " لیا ہے۔ یعنی اگر مسلمان رسول اللہ ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو ان پر جابر و ظالم حکمران مسلط کردیے جائیں گے۔

بہرحال فتنے کی یہ بھی ایک صورت ہو سکتی ہے اور اس کے سوا دوسری بیشمار صورتیں بھی ممکن ہیں۔ مثلاً

1-آپس کے تفرقے اور خانہ جنگیاں

2- اخلاقی زوال

3-نظم جماعت کی پراگندگی

[51] https://tanzil.net/#24:63

4- داخلی انتشار
5- سیاسی اور مادی طاقت کا ٹوٹ جانا
6- غیروں کا محکوم ہوجانا وغیرہ۔
(تفہیم القرآن)

اگر موجودہ حالت پر نظر ڈالیں تو تمام نقاط لاگو نظر آتے ہیں مگر ہم اپنی روش ترک کرنے کو تیار نہیں اللہ اور رسول کے واضح احکام، واضح احکام کی مخالفت میں مزہبی لارڈز ، مزہبی اشرافیہ کی تقلید کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح دینے کو اسلام سمجھتے ہیں نہ جانے کیوں؟

حتی کہ ایمان کے بنیادی عقائد میں بھی بدعہ کو ترجیح دینے پر فخر کرتے ہیں کہ یہ حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

مسیحیوں نے بھی حب مسیح میں غلو کرتے ہوئے حضرت عیسی مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا ۔۔

حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی اطاعت ہے نہ کہ نافرمانی۔

ہماری نمازیں ، روزے ، تمام عبادات اور نیکیاں بیکار ہیں اگر ایمان خالص نہیں- ایمان میں کوئی ملاوٹ اللہ کو قبول نہیں - اللہ کو ہر نفس خود جوابدہ ہے اوربروز قیامت اکیلے پیش ہوں گے, کسی کو علم نہیں کہ کب بلاوہ آجایے ، تجدید الایمان کریں -

جس کو"قرآن ، سنت رسول اللہ ﷺ اور سنت خلفاء راشدین" سے انکار ہے وہ اپنا نیا دین بنا لے، جس کے سات ارکان ہوں یا دس، جن میں مسلسل اضافہ پزیر کتب حدیث جو آج 75 سے زیادہ ہیں شامل کرلے مگر

قرآن، رسول اللہ ﷺ اور اسلام کا نام استعمال کرکہ دھوکہ نہ دیں- دونمبر کو ایک نمبر نہ بنا کر پیش کریں-

[قادیانی اور بہائی (ایرانی) بھی قرآن اوررسول اللہ ﷺ کو مانتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، مگر اصول دین، ایمان کے ارکان کی اپنی تاویل کرتے ہیں- مسلمان کو صرف وہ ایمان قبول ہے جو ان تاویلوں کے بغیر خالص رسول اللہ ﷺ، خلفاء راشدین ، صحابہ اکرام اور پہلی صدی حجرہ والے مسلمانوں کا تھا باقی بدعة دین میں نئی ایجادیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے (وکل بدعة ضلالة) فرمایا- شیعہ کو کہتے ہیں کہ کلمہ میں اضافہ کرلیا ہے بدعة ہے، بلکل بدعة ہے مگر یہ کتب احادیث جن کو وحی غیر متلو، وحی خفی بنا کر قرآن کے ساتھ کھڑا کر دیا یہ بدعة نہیں؟ عام معاشرتی , ثقافتی، دنیاوی جدید ایجادات، طریقوں، اور فروعی معاملات پر بدعة بدعة کی فرقہ وارانہ تکرارسے بدعة کے معنی ہی تبدیل کر دیے، بدعة جودین میں ایک انتہائی سنجیدہ مسئلہ ہے،اسے ایک منصوبہ کے تحت مذاق بنا کر رکھ دیا کہ لوگ اسے اہمیت نہیں دیتے، اور خود اصول دین اور ایمان کی بنیادوں ، جڑوں کو بدعات سے بھر کر دین کا حلیہ ہی تبدیل کر دیا -علماء یہود یہی کام کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

" تم لوگوں کی ر ہنما ئی کرتے ہو، لیکن تم ہی اندھے ہو. تم تو پینے کے مشروبات میں سے چھوٹے مچھر کو نکا ل کر بعد میں خود اونٹ کو نگل جا نے وا لو ں کی طرح ہو"(انجیل متی23:24)[37]

منکرین قرآن ؟

جس کوقرآن پرایمان ہے وہ قرآن کی تمام آیات کو قبول کرے گا، فطری کمزوری کی وجہ سے عمل میں کمی یا کوتاہی ممکن ہے جس کو اللہ تعالی معاف فرمائیں- مگر قرآن کی آیات کا اگر کوئی انکار(عملی یا قولی طور پر) کر دے، ان کے برخلاف عقیدہ رکھے تو؟ اس موضوع پر اس بحث کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اگر قرآن کی آیات[38] کو من وعن، بغیر حیل و حجت قبول کر لیں[39]- مذکورآیات کے اردو تراجم سب تحریف شدہ[40] ہیں صرف دو تین انگریزی ترجمہ درست ہیں[41]- بغور پڑھیں تو اردوکی وجہ سے آسان ہے لفظی ترجمہ دیکھیں. ایک عالم دین جو PHD کر رہے تھے اس پردلچسپ مکالمہ[42] ہوا، کیسی کیسی تاویلیں گھڑتے ہیں[43] ، علامہ اقبال (رح) نے خوب فرمایا:

ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے: نہ کہیں لذّتِ کردار، نہ افکارِ عمیق

حلقۂ شوق میں وہ جُرأتِ اندیشہ کہاں: آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق!

خود بدلتے نہیں، قُرآں کو بدل دیتے ہیں: ہُوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب: کہ سِکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق! [علامہ اقبال (رح)]

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا (اللہ نے بہترین حدیث اس کتاب (قرآن) کی شکل میں نازل کیا ہے (قرآن 39:23)[44]

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (اب اِس (قرآن) کے بعد اور کونسی حدیث پر یہ ایمان لائیں؟ (المرسلات 77:50)

قرآن ہر بار بار دہراتا ہے : فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّـهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ(الجاثية45:6)، فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ(المرسلات 77:50)) فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (الأعراف 7:185)، وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّـهِ حَدِيثًا (٨٧) اللہ سے بڑھ کر سچی حدیث اور کس کی ہوسکتی ہے (النساء 4:87)

1. قرآن واضح ترین الفاظ میں قرآن کو "اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا" "بہترین حدیث کی کتاب" کہتا ہے اورپھر کہتا ہے اس کے بعد کس کون سی حدیث پر ایمان لاوو گے؟[45] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "فإن خير الحديث كتاب الله " ترجمہ : " یقینا بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے" -

2. "منکر حدیث" (ایک طعنہ بن چکا ہے) مگر قرآن اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ،[46] سے بار بار، قرآن کے علاوہ کسی بھی حدیث کی کتاب کا انکار کرتا ہے-

قرآن(3:7) کے مطابق اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ: جو آیات غیر مبہم، واضح ہوتی ہیں جن کی تفسیر کی ضرورت بھی نہیں ہوتی، قرآن ان آیات کو "اُمُّ الۡكِتٰبِ یعنی قرآن کی اصل بنیاد کہتا ہے-

3. کیا قرآن کے لیے اور قرآن کی ان "آیات ممنوع کتاب حدیث" اور مکمل قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے یا توہین قرآن؟

4. تو پھر "منکر قرآن" کون ہے؟

5. اگر کوئی قرآن پر عمل کرتے ہوۓ کسی بھی کتاب حدیث پر ایمان نہیں لاتا اور جوقرآن کے حکم کے برخلاف ایمان رکھتا ہے، ان کی شرعی پوزشن کیا ہے ارکان اسلام کے حوالہ سے؟

6. " کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو شخص ایسا کرے اس کی کیا سزا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ دنیا کی زندگی میں ذلّت (اور رُسوائی) ہو، اور قیامت کے دن (بھی ایسے لوگ) سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے، اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔ (قرآن : 2:85)[47]

7. "اور بیشک (اللہ نے) تم پر کتاب میں یہ (حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے تو تم ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ (انکار اور تمسخر کو چھوڑ کر) کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں۔ ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ بیشک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو دوزخ میں جمع کرنے والا ہے۔(قرآن;4:140)[48]

8. جو قرآن کی ایک آیت کا منکر وہ قرآن کا منکر ہوتا ہے,[49] قرآن رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، رسول اللہ ﷺ کا حکم نہ ماننا[50] رسالت

کا انکار- بدعة گمراہی (وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)[51] کو ترک کرکہ اپنے ایمان کی تجدید کریں!

9. الله کا فرمان : فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ (قرآن 20:123)[52]

10. ... جس آدمی نے میری ہدایت (قرآن) کی پیروی کی , نہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اورنہ آخرت میں) بدبخت ہوگا۔ (قرآن 20:123)

11. "کہہ دو کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں (103) وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی۔ اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں (104) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کے سامنے جانے سے انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہوگئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لئے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے (105) یہ ان کی سزا ہے (یعنی) جہنم۔ اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور ہمارے پیغمبروں کی ہنسی اُڑائی (106) جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے ان کے لئے بہشت کے باغ مہمانی ہوں گے (قرآن 18:107)[52]

رسولوں پر ایمان

تمام رسولوں[53] حضرت آدم علیہ السلام سے نوح ، ابراھیم ، اسماعیل ، اسحاق ، یعقوب، داوود ، سلیمان ، موسی ، عیسی علیہ السلام اور (جن

---

[52] https://tanzil.net/#trans/ur.jalandhry/18:103

کے نام کا یہاں ذکر نہیں) سے آخری نبی و رسول حضرت محمد (ﷺ) پر ایمان ہے. اس کا مطلب، اب صرف رسول اللہ ﷺ پر نازل کتاب اللہ اور تعلیمات (أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﷺ) پر بلا حیل و حجت عمل کرنا ہے- رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا حفظ و تحریر میں محفوظ ہوا مگرقرآن دو جلد میں کتاب کی شکل میں مدون نہ تھا جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے- رسول اللہ ﷺ نے وصیت اور حکم فرمایا (مفھوم):[54] اختلافات میں سنت رسول اللہ ﷺ اور سنت خلفاء راشدین مھدین (مہدی - ہدایت یافتہ) کو لازم پکڑنا ، اس سے چمٹ جانا ، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا ، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا ، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے ، اور ہر بدعت گمراہی ہے (وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ')-

صحابہ اکرام کے پاس ذاتی نوٹس صحیفے موجود تھے یا حفظ میں محفوظ تھے سب سے اہم کام تدوین قرآن[55] سے قرآن کو محفوظ کرنا تھا ، جو حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر (رضی اللہ) کے اصرار پر اکٹھا کروایا، بعد میں حضرت عثمان (رضی اللہ) نے اس کی کتاب کی شکل میں تدوین کی، حضرت علی (رضی اللہ) نے کوئی تبدیلی نہ کی- خلفاء راشدین نے قرآن کی تدوین کی اور احادیث کی تدوین نہ کی، بلکہ منع فرما دیا کہ یہود و نصاری دوسری کتب لکھ کر کتاب اللہ کو پس پشت دال کر گمراہ ہو گئے، اور مسلمانوں کو یہ غلطی نہیں دہرانا، دو اہم نقاط:

1.قرآن کی تدوین و کتابت سنت خلفا راشدین ہے[56]

2.حدیث کی کتابت نہ کرنا بھی سنت خلفاء راشدین ہے-

یہ دونوں اہم ترین کام قرآن ، سنت رسول اللہ ﷺ کے عین مطابق تھے، اور یہ چاروں خلفاء راشدین کا اجماع سنت بھی بن گیا کیونکہ اختلافات کی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے خلفاء راشدین کی سنت کو دانتوں سے پکڑنے کا حکم دیا[57] اور بدعات سے بچنے کا بھی اس لیےاس میں تبدیلی، نظرثانی کی گنجائش نہیں- خلفاء راشدین کے اس فیصلہ کو صحابہ نے قبول کیا اور اس پر صدیوں تک تک سختی سے عمل ہوا- تیسری صدی حجرہ میں حدیث کی مشہور کتب لکھی گیئں مگر ان کو علمی قبولیت میں دو صدی اور لگ گئیں، جب 464 حجرہ (1072عیسوی) کو نیشاپور میں پہلی مرتبہ البخاری کو پڑھا گیا تھا.[58] پھر تاویلوں اور دروغ کے زور پر یہود و نصاری کی طرح نافرمانی اور بدعة کا آغاز ہوا جو اب تک جاری ہے-

تضاد (The Paradox) : انکار رسالت محمد رسول اللہ ﷺ ، سنت و حدیث ؟

رسول اللہ ﷺ کی وصیت و سنت کے مطابق خلفاء راشدین کی مجموعی سنت میں غور فکر کے بعد کتب حدیث کی تدوین پر پابندی لگا دی گئی[59]- ان سے زیادہ حالات سے کون واقف ہو سکتا ہے اورکون

زیادہ بڑامسلمان اور رسول اللہ ﷺ کی قربت کا دعوی کر سکتا ہے؟ جو کرے اسے دماغی علاج کی ضرورت ہے-

اگر کوئی شخص ایک ، دو صدی ، چار صدی یا چودہ صدی کے بعد حساب کتاب اور تفتیش (inquiry) شروع کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں فلاں کوحفظ کمزوری پر حدیث لکھنے کی اجازت دی تھی لہٰذا حدیث کی کتاب لکھنا جائزہے تو اس کا مطلب:

منکرین رسالت محمد رسول اللہ ﷺ منکرین سنت و حدیث ؟

1. رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث کا انکار: آپ ﷺ نے نہ صرف حدیث کی کتاب لکھنے سے منع[60] فرمایا بلکہ اپنی سنت میں کوئی کتاب نہ چھوڑی- کتاب لکھنا رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے صرف خلفاء راشدین کو خاص اتھارٹی دی[61]-

2. رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد اختلافات میں اپنی سنت اور سنت خلفاء راشدین پر سختی سے عمل دانتوں سے پکڑنے اور بدعات سے دور رہنے کا حکم دیا تھا- یہ قرآن و سنت اور عقل کے مطابق ہے- کیونکہ خلفاء راشدین نے قرآن کو مدون کیا جس کو مسلمانوں نے دانتوں سے پکڑ کرسختی سے عمل کرنا ہے جبکہ قرآن کسی اور کتاب حدیث سے منع کرتا ہے[62] تفصیل پہلے بیان ہو چکی-

3. رسول اللہ ﷺ کےاس حکم کا انکاررسالت کا کھلم کھلا انکار، بغاوت: خلفاء راشدین جو رسول اللہ ﷺ کے قریب ترین ساتھی اور

َعزیز تھے اور وہ تمام حالات سے اور رسول اللہ ﷺ کے خیالات اور تعلیمات سے بخوبی واقف تھے جن پر رسول اللہ ﷺ نے اعتماد کیا، جس کوزندگی میں جنت کی بشارت ملی ، جس کے فضائل و درجات پرکتب کا ڈھیر ہے، ان خلفاء راشدین کے فیصلوں پر عدم اعتماد کرنا در اصل رسول اللہ ﷺ پر عدم اعتماد ہے جنہوں نے ان پر ذمہ داری ڈالی- ایک طرف وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے فرامین، اقوال کو وحی (خفی ، غیر متلو)[63] کہتے ہیں(بدعة) اور پھراپنے بیان کے خلاف اس وحی خفی، غیر متلو کا انکار بھی کرتے ہیں، یہ کیسا تضاد (paradox) ہے؟

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﷺ

اللہ تعالیٰ کافرمان ہے:[64]

1."(اے رسول!) آپ کے رب کی قسم! (ایمان کے دعویدار ہونے کے باوجود) یہ لوگ(حقیقت میں) مومن نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ آپس کے تنازعات میں یہ آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلے پر دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور اسے (دل وجا ن سے) تسلیم کر لیں“ (النساء: 65)[65]

2. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (٥٩)

"'اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اوراپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمرکی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے'

(النسآء : 59)[66]

وَأُولِي الْأَمْرِ : صاحبانِ اَمر (اہلِ حق)- رسول اللہ ﷺ کے بعد اول "أُولِي الْأَمْرِ" خلفاء راشدین مہدین تھے- ان کو اختلافات میں فیصلہ کی اتھارٹی رسول اللہ ﷺ نے دی، اور انہوں نے قرآن کی کتابت تدوین کرنےاور حدیث کی تدوین نہ کرنے کا فیصلہ کیا جو قرآن و سنت کے مطابق ہے کیا- اب صاحبانِ اَمر(اہلِ حق) صرف وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو مسلمان اس معاملہ میں اولین "أُولِي الْأَمْرِ"، خلفاء راشدین مہدین کے ساتھ کھڑے ہیں- جو لوگ خلفاء راشدین مہدین کی مخالفت کرتے ہیں، قرآن، رسول اللہ ﷺ کا حکم نہیں مانتے ان کی دینی، علمی، روحانی حیثیت کیا ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کی راہنمائی کر سکیں؟ جن کو تو خود راہنمائی کی ضرورت ہے-

اہل تشیع ، قرآن اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں ، تین خلفاء راشدین سے اختلاف ہے مگر حضرت علی (رضی اللہ) نے اس معاملہ میں تینوں خلفاء کی سنت کی پیروی کی اور کتاب حدیث، تدوین نہ کی

بلکہ منع فرمایا- اہل تشیع کو اپنے عقیدہ کے مطابق رسول الله ﷺ اور امام اول کی سنت پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہونی چاہیے-

اب تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی عقل و دانش کے مطابق تجدیدالایمان بمطابق "أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ" کریں- ایمان کے لیے الله تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی اطاعت لازم ہے اور پھرالله نے یہ قولِ فیصل بھی جاری فرما دیا کہ حقیقت کے اعتبار سے اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ایک ہی ہے، چنانچہ فرمایا:

3.[مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ] "اور جس نے رسول کی اطاعت کی، سو اس نے الله کی اطاعت کی“ (النساء : 80)

4."اور جس نے الله اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بڑی کامیابی کو پا لیا“ (الاحزاب: 71)-

اس کے بعد کسی کا اپنی تفتیش (ناقص)[67] سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ رسول الله ﷺ اور خلفاء راشدین کا فیصلہ غلط تھا-(استغفرالله) اور(1) ان حضرات کو کو صدیوں بعد زیادہ بہتر طور پر حالات کا علم ہے (2)اور یہ کہ حدیث کی کتب لکھنا جائز ہے-

کیا یہ انکار رسالت محمد رسول الله ﷺ و توہین رسالت نہیں؟

1. جو تفتیش[68] وہ کرتے ہیں وہ بھی جھوٹ اور من گھڑت کمزور دلائل[69] پر غلط ثابت ہے-

2. یہ ہے دین میں نیی نئی چیز کا اضافہ، یہ ہے بدعة جس سے رسول الله ﷺ نے سختی سے منع فرمایا-(وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ’)[70]

3. ایسی بدعة جو اسلام میں ایمان کے دو بنیادی ارکان کے انکار: (1)کتب، قرآن اور (2) رسالت محمد رسول اللہﷺ کے انکار پر کھڑی ہو وہ دین اسلام کا حصہ کیسے ہو سکتی ہے؟ دین میں فائدہ نقصان رسول اللہ ﷺ کو بہتر معلوم ہے نہ کہ کسی عالم یا امام کو-

4. کتمان حق : آیات قرآن اور علم حق کو چھپانا گناہ کبیرہ: تمام معلومات شیئر کر دی ہیں-[71] ہمارا فرض سب پر حق واضح کرنا ہے، کسی پر فتوے لگانا ہمآرا کام نہیں، کھلے الفاظ میں بغیر لگی لپٹی کے حقیقت سامنے پیش کر دی کتمان حق ادا کیا، اتمام حجت پورا ہوا اب معاملہ آپ اور اللہ کے درمیان ہے:

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ (٤٢)

"جس شخص کو مرنا ہے وہ حجت (تمام ہونے) سے مرے اور جسے جینا ہے وہ حجت (تمام ہونے) سے جئے (یعنی ہر کسی کے سامنے اسلام اور رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر حجت قائم ہو جائے)، اور بیشک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے، (قرآن 8:42)[72]

بدعة گمراہی (وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)

جب رسول اللہ ﷺ کے بعد انبیاء گذشتہ کی سنتوں اور طریقوں کو اختیار کرنے کی بھی گنجائش نہیں تو بعد کے کسی انسان کی خود تراشیدہ خواہشات وبدعات[73] کو اپنانے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟

یہی وجہ ہے کہ دین کے نام پر خود تراشیدہ رسوم وبدعات کی سخت مذمت کی گئی ہے اور ضلالت وگمراہی فرمایا گیاہے۔

دین میں کسی نئی بدعت کی ایجاد در پردہ رسالت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیمات) پر تنقید ہے، کیونکہ بدعت کے ایجاد کرنے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی ایجاد کردہ بدعت کے بغیر دین نامکمل ہے اور یہ کہ نعوذ باللہ! اللہ ورسول ﷺ کی نظر وہاں تک نہیں پہنچی، جہاں اس بدعت پرست کی پہنچی ہے، یہی وجہ ہے کہ بدعت کے ایجاد کرنے کو دین اسلام کے منہدم کردینے سے تعبیر فرمایا:”مَنْ وَقَّرَ صاحبَ بدعةٍ فقد أعان على ہدم الإسلام“۔[74]
ترجمہ:۔”جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم وتوقیر کی، اس نے اسلام کے منہدم کرنے پر مدد کی“
اسلام دنیا کا ایک واحد مذہب ہے جس کے پاس مستند ، بہترین مکمل، محفوظ کتاب اللہ ، قرآن موجود ہے مگر اس کے ساتھ کتب احادیث جن کو رسول اللہ (ﷺ) سے نسبت کی وجہ سے مقدس کتب کا درجہ دیا جاتا ہے مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے جبکہ وحی کا سلسلہ 1400 سال سے ختم ہو چکا ! أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ کے مطابق تجدید الاسلام کا پہلا مرحلہ تجدید الایمان ہے۔

قرآن اور عقل و شعور

اللہ نے عقل و شعور کے استعمال پر بہت زور دیا ہے[75]. لفظ "عقل" کتاب اللہ میں تقریباً اُنتالیس مرتبہ، اور مختلف انداز میں 49 مرتبہ استعمال ہوا ہے.الفاظ تعقلون، أَلْبَٰب، يَتَدَبَّرُ،يَتَفَكَّرُ، حِكْمَة, بُرْهَانٌ،عِلْم, رَشِيدٌ, ءَايَة, جَاهِل(لاعلم)[76] پر مشتمل آیات انسانی عقل و ذہانت Intellect کو دعوت دیتی ہیں[77]

عقلمندوں کے سوا کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا۔ (قرآن 2:269)[78])

"یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے" (قرآن:8:22)[79]

"کیا آپ نے اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنے نفسانی خواہش ہی کو اپنا معبود بنا رکھا ہو ؟ کیا آپ اس کو ہدایت پر لانے کے ذمہ دار ہوسکتے ہیں ؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا عقل سے کام لیتے ہیں وہ تو محض چوپائے جانور ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے" (قرآن 25:43,44)[80]

وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے۔ اور جس کو دانائی ملی بےشک اس کو بڑی نعمت ملی۔ اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں"(قرآن:(2:269)[81]

”کیا تم سمجھتے ہو کہ ان کی اکثریت، سماعت کا یا عقل کا استعمال کرتی ہے؟ نہیں، بلکہ یہ تو محض جانور ہیں، یا ان سے بھی زیادہ بدتر۔“(۲۵:٤٤)

..اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو (قرآن 2:111)

اس تحقیق سے کما حقہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے فکر روشن اور ذہن کو تمام[82] تعصبات، خواہشات نفس، بزرگوں کے نظریات سے پاک رکھتے ہوئے اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات کو مرکز بنانا ضروری ہے-

حدیث کے بیان و ترسیل کا مجوزہ طریقہ [أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﷺ]

“تجدید الاسلام” کی بنیاد "أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ" پر ہے. دوسری کتب کو ترجیح دینے کی وجہ سے کلام اللہ ، قرآن کو ترک العمل (مہجور) بنا دیا گیا ہے، قیامت کے دن جب: "پیغمبر کہیں گے، پروردگار ، میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ " (سورة الفرقان،25:30)، تو ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا- اس لیے قرآن کی اصل حیثیت کی بحالی اور ترجیح اول [84a] کا مطلب احادیث کی اہمیت کا انکار نہیں۔ مسلمانوں کو اپنے محبوب اور پیارے نبی محمد صلی اللہ

علیہ وسلم سے منسوب الفاظ، اقوال (احادیث) اور عمل (سنت) سے بھی پیار ہے۔ مگر حقیقی محبت کا اظہار اطاعت [83] رسول اللہ ﷺ ہے نہ کہ نافرمانی[84]۔ قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم" قرآن کے علاوہ کسی بھی کتاب حدیث"[85] کی ممانعت کرتے ہیں لیکن وہ احادیث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ معیار[86]کے مطابق ہوں ان کی ترسیل بذریعہ حفظ و بیان مستحب اور باعث ثواب ہے- رسول اللہ ﷺ نے کچھ صحابہ کو حفظ کی کمزوری پر انفرادی طور پر ذاتی نوٹس کی اجازت دی اور کچھ کو انکار[87]- اس سے احادیث کے انفرادی طور پر ذاتی نوٹس بزریعہ قلم کاغذ یا ڈیجیٹل نوٹس کا جواز ممکن ہے- علماء اور ماہرین جدید ڈیجیٹل ٹیکنالوجی[88] کے ذریعہ ممکنہ ترسیل کا شرعی جائزہ لے سکتے ہیں-"أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ" کی روشنی میں حکمت[89]] اورعقل و شعور کا تقاضا ہے کہ جب تک "اجماع" قائم نہیں ہو جاتا، اتحاد امت[90] (وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا[91]) کی خاطر بحالت مجبوری (اضْطُر)[92] وضع موجود (statuesque) میں اچانک تبدیلی نامناسب اقدام ہوگا- انتشار سے بچتےہوۓ انفرادی طور پر اصول دین کے مطابق ایمان کو درست رکھتے ہوۓ رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ معیار [93] کے مطابق احادیث کا بیان و ترسیل بزریعہ ڈیجیٹل

ٹیکنالوجی[94] ممکن ہو سکتا ہے(و الله اعلم) جبکہ اجماع کی پرامن فکری جدوجہد (Peaceful intellectual struggle) بزریعہ دعوہ و مکالمہ بھی جاری رہے- [مزید تفصیل: سنت، حدیث اور متواتر حدیث]
[95]

اہل ایمان کی ذمہ داری

مسلمان اپنے ایمان کا خود جائزہ لیں اور عقائد کو درست کریں تجدید الایمان بزریعہ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﷺ کریں، الله تعالی کا فرمان ہے :

زمانے کی قسم ۞ انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے ۞ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۞ (القرآن - العصر، 103: 1:3)[53]

خسارے (جہنم) سے صرف وہی لوگ بچ سکتے ہیں جن کے اندریہ چار صفتیں پائی جاتی ہیں: (1) ایمان (2) عمل صالح (3) ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنا (4) ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا۔ اس دعوہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچائیں کیونکہ نیکی کرنا اوراسے صرف اپنے تک محدود کرلینا کافی نہیں:

[53] https://tanzil.net/#103:1

"اور بچو اُس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف اُنہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے" (القرآن; 8:25)[96]

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے- کہیں تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اُس روزسخت سزا پائیں گے- جبکہ کچھ لوگ سرخ رو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا، جن کا منہ کالا ہوگا (ان سے کہا جائے گا کہ) نعمت ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا؟ اچھا تو اب اِس کفران نعمت کے صلہ میں عذاب کا مزہ چکھو- رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو اُن کو اللہ کے دامن رحمت میں جگہ ملے گی اور ہمیشہ وہ اسی حالت میں رہیں گے- یہ اللہ کے ارشادات ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک سنارہے ہیں کیونکہ اللہ دنیا والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا (قرآن: 3:104,108)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر نہایت تند

خُو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔"(القرآن 66:6)[97]

اپنے عزیزوں ، دوستوں احباب اور تمام مسلمانوں کے ایمان کی تجدید ہم سب کی زمہ داری پے اور اس نیک کام اجر اتنا زیادہ ہے کہ ہم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ جتنے لوگوں کی "تجدید الایمان"[98] ہو گی ان کے نیک اعمال کا ثواب اپ کو بھی ملے گا لیکن ان کے آجر میں کمی نہ ہوگی۔ یہ تعداد لاکھوں کروڑوں میں ہو سکتی ہے جب نسل در نسل "تجدید الایمان" منتقل ہوتی جائے گی تا قیامت ۔ اللہ کا فرمان ہے:

"جو بھلائی کی سفارش کریگا وہ اس میں سے حصہ پائے گا" (قرآن 4:85)

ابھی درج ذیل، پوسٹ کاپی پیسٹ کرکہ سوشل میڈیا پر شیرکرکہ نیکی میں حصہ دار بن جائیں......

تجدید ایمان (أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﷺ)

ہماری نمازیں ، روزے ، تمام عبادات اور نیکیاں بیکار ہیں اگر ایمان خالص نہیں- ایمان میں کوئی ملاوٹ اللہ کو قبول نہیں - اللہ کو ہر نفس خود جوابدہ ہے اوربروز قیامت اکیلے پیش ہوں گے, آیئےتجدید الایمان کریں>>> https://bit.ly/Aymaan

---

اہم مضامین / معلومات

https://Quran1book.blogspot.com htps://SalaamOne.com/Tejdeed

انڈکس: https://bit.ly/IndexTejded

- تجدید الإسلام: مقدمہ [Abstract English-]
- بدعة، گمراہی (ضَلَالَۃٌ)
- اصول دین (بنیادی عقائد) اور فروع دین (ارکان اسلام)
- تجدید ایمان
- مسلمانوں کا قرآن کو ترک (مھجور) کرنا (25:30)
- اہم احادیث
- حادیث لکھنے کی ممانعت
- رسول اللہ ﷺ کی وصیت کا انکار اور بدعت
- سنت خلفاء راشدین کی شرعی حثیت اور کتابت حدیث
- رسول اللہ ﷺ کا حدیث کی درستگی اور پہچان کا میعار
- مسلمان یہود و نصاری کے نقش قدم پر
- اہم آیات قرآن
- اہل قرآن اور اہل حدیث کے مغالطے
- سینٹ پال ، سینٹ پطرس اور امام بخاری کے خواب
- من گھڑت داستانوں سے حقائق مسخ ، رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی
- حضرت عمر (رضی اللہ) کا اہم ترین کارنامہ
- تجدید الإسلام (ای - بک)
- آخری رسول اور آخری کتاب - قرآن : اطاعت رسول و سنت
- سنت , حدیث اور متواتر حدیث
- وحی متلو اور غیر متلو تحقیقی جائزہ (1)
- وحی متلو اور غیر متلوتحقیقی جائزہ (2) [قرآن کا مثل ؟]
- اللہ ، قرآن پر غلط بیانی کرنا حرام [Don't Hide Truth]
- "کتاب حدیث" ممنوع - قرآن

- حدیث لسٹ Hadith List

مطالعہ تحقیق کے چار مراحل

"تجدید الاسلام" (أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﷺ) مکمل تحقیق سے چار طریقوں سے مرحلہ وار فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے:

1. تجدید ایمان[99] [https://bit.ly/Aymaan]
2. مقدمہ : تجدید الاسلام:[100] [https://bit.ly/Tejddeed]
3. تحقیقی مقالہ [101] ای بک [http://bit.ly/31IYQV3]
4. اردو[102] / انگریزی[103] ویب سائٹس وزٹ کریں:

- **Urdu Web**: https://Quran1book.blogspot.com
- **English Web**: https://Quran1book.wordpress.com
- **FB:** https://www.facebook.com/IslamiRevival
- **FB**: https://www.facebook.com/QuranSubject

http://SalaamOne.com/About

Endnotes

[1] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/hadith-sunnah.html

[2] https://quran1book.blogspot.com/2020/05/Hadith-Criteria.html

[3] https://corpus.quran.com/qurandictionary.jsp?q=Amn#(24:51:4)

[4] https://tanzil.net/#33:21

[5] https://corpus.quran.com/qurandictionary.jsp?q=Amn#(24:51:4)

[6] https://quran1book.blogspot.com/2021/08/tajdeed.html

[7] https://quran1book.blogspot.com/2021/08/Bidah.html

[8] (Hamam bin Mambah: 8353)

[9] https://quransubjects.blogspot.com/2019/10/faith.html

[10] https://tanzil.net/#trans/ur.junagarhi/53:38

[11] https://quran1book.blogspot.com/2021/08/Bidah.html

[12] https://quran1book.blogspot.com/2021/08/tajdeed.html

[13] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/asool-deen.html
[14] https://quransubjects.blogspot.com/2019/10/faith.html
[15] https://wp.me/pcyQCZ-4a
[16] Hadith, Mishnah & Talmud Similarities: https://wp.me/scyQCZ-mishnah
[17] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/hadith-talmud.html
[18] https://en.wikipedia.org/wiki/Biblical_inspiration
[19] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/wahi-ghair-matloo2.html.html
[20] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/verses.html
[21] https://quran1book.blogspot.com/2021/07/St-Paul-Imam-Bukhari-Dreams.html
[22] https://quran1book.blogspot.com/2021/07/Distortion.html
[23] https://quransubjects.blogspot.com/2021/03/quran-key.html
[24] https://quran1book.blogspot.com/2021/09/Quran-Neglected.html
[25] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/hadith.html
[26] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/wahi-ghair-matloo.html، https://quran1book.blogspot.com/2020/06/wahi-ghair-matloo2.html.html
[27] https://ur.wikipedia.org/wiki/بہائیت
[28] https://wp.me/scyQCZ-forbid
]28a] https://quran1book.blogspot.com/2020/10/hadith-ban.html
[29]https://sunnah.com/riyadussalihin:170 (Muslim)
[30] https://tanzil.net/#39:23
[31] https://quran1book.blogspot.com/2020/05/Last-Will.html
[32] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/hadith.html
[33] https://islamicurdubooks.com/hadith/hadith-.php?hadith_number=5026&bookid=1&tarqeem=1 [البخارى: 5026]
[34] https://wp.me/scyQCZ-sahabah ، https://quran1book.blogspot.com/2020/06/frontpage.html
[35] https://quran1book.blogspot.com/2020/10/hadith-ban.html , https://wp.me/scyQCZ-index
[36] https://quran1book.blogspot.com/2021/06/Hadith-Set.html
[37] https://www.biblegateway.com/passage/?search=%D9%85%D8%AA%D9%91%DB%8C+23&version=ERV-UR

[38] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/verses.html
[39] https://www.urduweb.org/mehfil/threads/107473
[40] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/hadith-distortion-exposed.html
[41] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/hadith-distortion-exposed.html
[42] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/hadith-distortion-exposed.html
[43] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/hadith-distortion-exposed.html
[44] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/verses.htm
[45] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/verses.html
[46] https://quransubjects.blogspot.com/2021/03/quran-key.html
[47] https://tanzil.net/#2:85
[48] https://tanzil.net/#4:140
[49] https://www.banuri.edu.pk/readquestion/11-08-2018/قرآن-کی-آیت-قصدا-انکار
[50] https://quran1book.blogspot.com/2020/05/Last-Will.html
[51] https://wp.me/scyQCZ-bidah
[52] https://tanzil.net/#20:123
[53] https://quransubjects.blogspot.com/2019/10/faith.html
[54] https://wp.me/pcyQCZ-ce
[55] https://quransubjects.blogspot.com/2021/07/compilation.html
[56] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/4caliphs.html
[57] https://quran1book.blogspot.com/2020/05/Last-Will.html
[58] Jonathan A.C. Brown, The Canonization of al-Bukhārī and Muslim: The Formation and Function of The Sunnī Ḥadīīh Canon (Leiden: Brill, 2007). Ignaz Goldziher, Muslim Studies, 242–3
[59] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/4caliphs.html
[60] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/hadith.html
[61] https://wp.me/pcyQCZ-ce
[62] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/verses.html
[63] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/wahi-ghair-matloo.html
[84a] https://quran1book.blogspot.com/2021/09/Quran-Neglected.html
[64]

https://dunya.com.pk/index.php/author/mufti-muneeb-ul-rehman/2021-04-01/34763/73104437 (مفتی منیب الرحمان)
[65] https://tanzil.net/#4:65

[66] https://tanzil.net/#4:59، https://tanzil.net/#4:80 ، https://tanzil.net/#33:71
[67]https://wp.me/scyQCZ-index ، https://quran1book.blogspot.com/2020/06/frontpage.html
[68] https://wp.me/scyQCZ-index
[69] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/frontpage.html
[70] https://wp.me/scyQCZ-bidah
[71] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/misquoting-quran.html
[72] https://tanzil.net/#trans/ur.qadri/8:42
[73] https://quran1book.blogspot.com/2021/08/Bidah.html
[74] https://urdupub.com/r-796-12294/
[75] https://salaamone.com/ur-intellect/
[76] https://salaamone.com/aql/
[77] https://quransubjects.blogspot.com/2019/11/quran-on-intellect.html
[78] http://tanzil.net/#trans/ur.najafi/2:269
[79] https://tanzil.net/#trans/ur.maududi/8:22
[80] https://tanzil.net/#trans/ur.maududi/25:43
[81] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/pragmatism%20.html
[82] https://tanzil.net/#trans/ur.maududi/8:22
[83] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/last-book-messenger.html
[84] https://quran1book.blogspot.com/2020/05/Last-Will.html
[85] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/hadith.html
[86] https://quran1book.blogspot.com/2020/05/Hadith-Criteria.html
[87] https://wp.me/scyQCZ-sahabah
[88] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/Digital-Hadith.html
[89] https://tanzil.net/#2:269
[90] https://wp.me/s9pwXk-muslim1
[91] https://tanzil.net/#3:105
[92] https://tanzil.net/#2:173
[93] https://quran1book.blogspot.com/2020/05/Hadith-Criteria.html
[94] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/Digital-Hadith.html
[95] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/hadith-sunnah.html
[96] https://quransubjects.blogspot.com/2020/08/society-2.html
[97] https://tanzil.net/#6:66
[98] https://quran1book.blogspot.com/2021/09/Faith-Revival.html

[99] https://quran1book.blogspot.com/2021/09/Faith-Revival.html
[100] https://quran1book.blogspot.com/2021/08/tajdeed.html
[101] https://quran1book.blogspot.com/2020/06/e-book.html
[102] https://quran1book.blogspot.com/
[103] https://quran1book.wordpress.com/
[104] https://wp.me/P9pwXk-2et

☼https://bit.ly/Aymaan
https://bit.ly/Tejddeed ☼
https://bit.ly/IndexTejded
http://SalaamOne.com/Revival
http://SalaamOne.com/Faith
https://Quran1book.blogspot.com
https://Quran1book.wordpress.com
https://www.facebook.com/IslamiRevival

تجدید الإسلام-انڈکس

پہلی صدی کے اسلام دین کامل کی بحالی

1. تجدید الإسلام: مقدمہ [Abstract English-]
2. بدعة، گمراہی (ضَلَالَةٌ)
3. اسلام ، مسلم فرقہ واریت کا خاتمہ
4. قرآن اور عقل و شعور
5. اصول دین (بنیادی عقائد) اور فروع دین (ارکان اسلام)
6. مسلمانوں کا قرآن کو ترک (مهجور) کرنا (25:30)
7. اہم احادیث
8. حادیث لکھنے کی ممانعت
9. احادیث پر احادیث - تقييد العلم للخطيب البغدادي
10. رسول اللہ ﷺ وصیت (ابی داوود 4607, ترمزی 266) کا انکار اور بدعت
11. سنت خلفاء راشدین کی شرعی حثیت اور کتابت حدیث کیوں نہ کی؟
12. رسول اللہ ﷺ کا حدیث کی درستگی اور پہچان کا میعار
13. احادیث سے استفادہ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی؟
14. مسلمان بھی یہود و نصاری کے نقش قدم پر
15. قرآن و حدیث اور" توریت و تلمود" موازنہ
16. تجدید اسلام کا آغاز
17. تجدید الإسلام کا آغاز / MBS Video
18. تدوین قرآن مجید

https://Quran1book.blogspot.com htps://SalaamOne.com/Tejdeed

19. قرآن احسن الحدیث
20. قرآن کا تعارف قرآن سے
21. اہم آیات قرآن
22. موضوع تحقیق (تہیم)
23. خلاصہ تحقیق - تجدید الإسلام-1
24. احیاء دین کامل :
25. حدیث لسٹ Hadith List https://wp.me/scyQCZ-list
26. اہل قرآن اور اہل حدیث کے مغالطے
27. سینٹ پال ، سینٹ پطرس اور امام بخاری (رح) کے خواب
28. من گھڑت داستانوں سے حقائق مسخ ، رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی
29. حضرت عمر (رضی اللہ) کا اہم ترین کارنامہ(1)
30. حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجتہاد
31. حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (سیرہ)
32. عظیم فاتح: الیگزینڈر یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ؟
33. Caliph Umer & Hadith
34. Uumar Ibn Al-khattab By Micheal Hart
35. البدعة الكبيرة Big Bid'ah
36. تجدید الإسلام (ای - بک)
37. آخری رسول اور آخری کتاب - قرآن : اطاعت رسول و سنت
38. حدیث کی قبولیت ، قرآن سے مشروط (مودودی)
39. اسنت , حدیث اور متواتر حدیث

40. وحی متلو اور غیر متلو تحقیقی جائزہ (1)

41. وحی متلو اور غیر متلوتحقیقی جائزہ (2) [قرآن کا مثل ؟]

42. اللہ ، قرآن پر غلط بیانی کرنا حرام [Don't Hide Truth]

43. "کتاب حدیث" ممنوع - قرآن

44. کتمان حق : آیات قرآن اور علم حق کو چھپانا سنگین جرم

45. فقیہ و محدثین

46. احیا دین کامل ۔۹۹ : تحقیق کے اہم نقاط و نتائج

47. دلیل روشن کے ساتھ ہلاک یا زندہ -(سورة الأنفال42)

48. حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ: حدیث اور اسرائیلیات

49. فقیہ و محدثین

50. عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

51. عالم، محدث، مفسرین صحابہ نے حدیث لکھنے کی ممانعت پر مکمل عمل کیا

52. تجدید الإسلام- خلاصہ تحقیق-2

53. مچھلی سمندری ، آبی جانور حلال: قرآن

54. تجدید الإسلام: سوشل میڈیا پوسٹئس سمری

55. شیعہ اصلاحات